جمع المفاتيح

فى

درس الطحاوى

بسم الله الرحمن الرحيم

* مقدمة *

الحمد لله رب العالمين، اختصّ من شاءَ من عباده بما شاءَ من فضله العظيم، وأفضل الصلاة وأتمّ التسليم على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه ومن تبِعهم بإحسانٍ إلى يوم الدّين۔

أمّا بعد:

ضروری تنبیہات *

1) اس کتاب میں جو Numbers احادیث کے ساتھ ہیں وہ شرح معانی الآثار کے مکتبۃ البشریٰ والے نسخے کے نمبر کے مطابق ہیں۔

2) اس کتاب کے لکھنے کے مقاصد میں سے ایک مقصد چونکہ اختصار بھی ہے تو جگہ جگہ آپ کو یہ محسوس ہوگا کہ کامل حدیث کو ذکر نہیں کیا گیا تو کامل حدیث کے لئے کتاب میں رجوع کیا جائے۔

3) باب کے شروع میں پہلے جہاں ضرورت تھی وہاں مسئلہ کو سمجھا دیا گیا ہے، پھر میں مسالک و دلائل پیش کئے گئے ہیں، اور مسالک و دلائل کی ترتیب کتاب کے بیان کردہ انداز میں لکھے گئے ہیں۔

4) قرآنی آیات و اہم مضمومات سرخ رنگ کی قلم سے لکھے گئے ہیں۔

5) احادیث نبویہ و اقوال الصحابی کو سیاہ رنگ کی قلم سے بیان کیا گیا ہے۔

6) اردو کتابت میں میرا لکھنے کا انداز

ٹ میں نکتے ٹ ٹ

گ : گ

★★★ ★★

* اس کتاب میں آپ بہت سی املاء کی غلطی محسوس کروگے وہ میری کوتاہی و سستی ہے جو غلطیاں میں نے معلوم نہیں کی، میں اس سستی و کوتاہی پر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتا ہوں، مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ ان تمام صحابہ، ائمہ، محدثین، و فقہاء جن جن کے نام اس کتاب میں مذکور ہے اور جن کے نام مذکور نہ بھی ہو جنہوں نے دین اسلام کی کسی بھی اعانت کی ہو، اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنی طرف سے بے شمار رحمتیں فرمائیں، اور ان کو آخرت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت و قرب نصیب فرمائیں۔

* اور آخرکار اللہ سے دعا ہے کہ جن بھائیوں نے اس کتاب کے لکھنے میں یا کسی بھی طرح سے امداد کی ہو اللہ تعالیٰ ان کی محنت کو قبول فرماوے، اور کوتاہی کو معاف فرمائے، آمین۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم، آمین یارب العالمین۔۔۔

اور یارب العالمین، اس پر بھی رحم فرما جو اس دعا پر آمین کہے خواہ آہستہ کہے یا آواز سے اور اس کی مغفرت فرما جو ہاتھ اٹھا کر اس عاجز بندہ کو اور اسکے اساتذہ و مربین کو دعاء مغفرت سے یاد کرے اور سورۃ فاتحہ اور کم از کم تین آتیں اور ما تیسر من القرآن پڑھ کر ثواب پہنچائے،

سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین،

والصلاۃ والسلام علی سیدنا و مولانا محمد خاتم الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ اجمعین ۔۔۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

* مُقَدِّمَۃُ المُصَنِّف والمُصَنَّف *

* کتاب کا نام :- شرح معانی الآثار المختلفۃ المرویۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الاحکام ....

* مصنف کا نام :- ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الازدی الحجری الطحاوی رحمہ اللہ .....

ولادت :- 229 ، 239 ھ : اختلاف

وفات :- 321 ھ 30 شوال

مہارت فنون :- حدیث فقہ .

مذہب :- حنفی ، اولاً شافعی المذہب تھے ،

خاص استاد :- آپ کے ماموں امام مزنی رحمہ اللہ .

نوٹ : امام طحاوی رحمہ اللہ نے اپنے ماموں کو حنفی مذہب کی کتابوں کا مطالعہ کرتے دیکھا تو انہوں نے بھی حنفی مذہب کی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا تو انہوں نے شافعی مذہب سے زیادہ قوی دلائل حنفی مذہب کے پائے اس وجہ سے انہوں نے حنفی مذہب کو اختیار کیا .

* مشہور ائمہ کی تاریخ وفات :-

امام یحیی بن معین رحمہ اللہ :-	وفات 233	ھجری
امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ :-	241	
امام بخاری رحمہ اللہ :-	256	
امام مسلم رحمہ اللہ :-	261	
امام ابن ماجہ رحمہ اللہ :-	273	
امام ابو داؤد رحمہ اللہ :-	275	
امام ترمذی رحمہ اللہ :-	279	
امام نسائی رحمہ اللہ :-	300	

★ کتاب کی چند خصوصیات :-

1) اس کتاب میں امام طحاوی رحمہ اللہ نادر روایات پیش کرتے ہے
2) تعدد الطرق ، و اسانید : جو کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی کیا ہے ،
3) احادث کے ظاہری تعارض و ناسخ منسوخ پر کلام فرماتے ہیں ،
4) فقہاء کے اقوال کو جمع کرتے ہے ،
5) جرح و تعدیل کے علماء کے اقوال بھی بیان کرتے ہے : مثال : یحیی بن معین رحمہ اللہ

★ کتابوں میں شرح معانی الآثار کا درجہ :-

- پہلی بات ہے کہ مسلم و بخاری سے اوپر کا درجہ نہیں ہے
- بعض علماء :- ترمذی و ابو داؤد پر طحاوی راجح ہے ،
- بعض علماء :- طحاوی کو نسائی شریف کے برابر قرار دیا ہے ،
- طحاوی سنن اربع [ابو داؤد ، نسائی ، ابن ماجہ ، ترمذی] کی طرح ہے ،

★ سب سے اچھی بات اس زمانہ میں یہ تھی کہ حدیث و فقہ کو انہوں نے پہلی مرتبہ ایک ہی کتاب میں جمع کیا تھا ،

★ اس کتاب میں امام طحاوی رحمہ اللہ نے ہر مسئلہ میں امام صاحب رحمہ اللہ کے مذھب و قول کی اتباع نہیں کی ،

★★★

بسم الله الرحمن الرحيم

فهرست

بسم الله الرحمن الرحيم

بسم الله الرحمن الرحيم

بسم الله الرحمن الرحيم

★ تمّ كتاب الصلاة ★

★ كتاب الجنائز ★

P: 1

بسم اللہ الرحمن الرحیم

★ باب الماء یقع فیہ النجاسۃ ★ 1 P:37

مسئلہ 1 - پانی میں نجاست گرنے سے پانی پاک رہتا ہے یا نہیں
مسئلہ 2 - ماء قلیل اور ماء کثیر کی تعریف

پانی میں نجاست گرنے والے مسئلہ میں ائمہ کے مذاہب

مالکیہ : نجاست کی وجہ سے پانی ناپاک نہیں ہوتا یہاں تک کہ اوصاف ثلاثہ میں سے کوئی بدل نہ جائے (لون، رنگ، بو، مزہ)

مالکیہ کی دلیل : [ان الماء طهور لا ینجسه شيء]

ائمہ ثلاثہ : اگر ماء قلیل میں نجاست گر جائے تو مطلقاً ناپاک، اگر کثیر ناپاک نہیں ہوگا یہاں تک احد الاوصاف میں کوئی تبدیلی آجائے۔

دلیل - 1 : [لا یبولن احدکم في الماء الدائم الذي لا یجري ثم یغتسل فیه]

★ فریق اول کی دلیل کا جواب ★

جواب - 1 : جو آپ حضرات نے بیر بضاعہ پر استدلال کیا ہے وہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ اس میں اختلاف ہے علماء کا۔ اس کی کیفیت کے اعتبار سے کہ کیا وہ بیر ہی تھا یا ماء جاری تھا

امام واقدی رح : کہ وہ ماء جاری تھا

جواب - 2 : جو آپ نے حدیث دلیل کے طور پر پیش کی [ان الماء ...] وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماء جاری کے بارے میں حکم فرمایا تھا

جواب - 3 : عام طور پر جب نجاست گر جائے تو اسکے اوصاف بدل جاتے ہیں اس پر علماء کا اجماع ہے، کہ اس وقت کنواں نجس ہو جائے گا؟ (یہ بات معقول ہے) اور اوصاف کا تو کوئی ذکر ہی نہیں ہے اس حدیث میں، جو آپ نے قید لگائی ہے، حالانکہ کہ اس میں حیض کے گندے کپڑے وغیرہ ڈالے جاتے تھے۔

حدیث ان الماء ... کے بارے میں یہ جواب دیتے ہیں کہ اس ماء جاری میں اتنی کم نجاست ڈالی گئی ہوگی جس سے کوئی وصف بدلا ہی نہیں

جواب-4- جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دی پانی
استعمال کرنے کی اسکا مطلب ہے کہ تغیر واقع نہیں ہوا تھا تو یہ
ممکن ہے کہ ان کا سوال اس نجاست کے نکالنے کے بعد کا ہوگا
جو پانی اسکے نجاست والے پانی کے نکالنے کے بعد آیا، تو وہ پانی
ناپاک نہیں ہوگا.

جواب-5- دوسری احادیث میں آتا ہے [المؤمن لا ینجس] [والارض
لا ینجس] تو ادھر حقیقی معنی مراد نہیں ہے وہاں مراد یہ ہے کہ
مؤمن مصاحبت، مصافحت، مؤاکلت کے اعتبار سے نجس نہیں
ہوتا، اور ارض سے مراد مشرک کا بدن زمین پہ چھونے کی
وجہ سے ناپاک نہیں ہوگی. اور زمین اس وقت نجس ہوگی جب کہ کوئی
حقیقی ظاہری طور پر نظر آنے والی نجاست لگ جائے جو کہ ہمیں
ایک اعرابی صحابی کی حدیث سے معلوم چلتا ہے، تو اس اعتبار سے مؤمن
اور زمین کے ~~xxxx~~ نجس نہ ہونے کا معنی حقیقی مراد نہیں ہے،
اس وجہ سے نجاست کے زمین پر ہونے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی
بہانے اور گڑھا کھودنے کا حکم دیا تھا.

★ نقلی دلیل کے لئے کتاب میں رجوع کرو ★

★ مسئلہ-2- ماء قلیل اور ماء کثیر کی تعریف ★

شوافع و حنابلہ: جب پانی دو قلتین کی مقدار پہنچ جاتا ہے تو وہ
پانی نجاست اٹھا سکتا ہے یعنی وہ پانی پاک ہی رہیگا مگر یہ کہ کوئی وصف بدل جائے.
دلیل: [اذا بلغ الماءُ قلتین لم یحمل خَبَثًا]

احناف: پانی کی دو قسمیں 1: قلیل 2: کثیر
ماء قلیل میں جب نجاست داخل ہوجائے تو وہ نجس ہی نجس ہے.
ماء کثیر کی تعریف میں 3 قول ہے.
1) رای مبتلا بہ: اس شخص کو یہ محسوس ہو کہ یہ کثیر ہے تو وہ ماء کثیر ہوگا
2) 10 × 10 جو کہ امام محمد رحمہ اللہ کا قول ہے. [fit 15]
3) ایک جانب حرکت دے اور دوسری جانب حرکت نہ کرے تو وہ
ماء کثیر کے حکم میں ہے.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احناف کی دلیل : [اخبرنی جابر عن ابی طفیل رضی اللہ عنہ قال: رَقَدَ الغلام فی زمزم فنزحت] تو یہاں بھی معلوم چلتا ہے کہ صحابہ نے پانی کے نجس ہونے کا مدار کثرۃ و قلت پر نہیں رکھا بلکہ ماء کے راکد و جاری ہونے پر رکھا۔

فریق مخالف کی دلیل پر اعتراض

اعتراض - 1 - قلتین کی مقدار مبہم ہے تو اس سے استدلال صحیح نہیں

" - 2 - حدیث میں طعم، رنگ، اور بو، کا اضافہ تو نہیں ہے وہ کہاں سے آیا

" - 3 - صحابہ کا عمل اس پر نہیں تھا اور تمام روایات قلتین کے بارے میں صرف ایک ہی صحابی ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

شوافع اور حنابلہ کا جواب احناف کی طرف سے

جواب - 1 - قلتین کی مقدار میں معروف مقدار دو قلیں وہ ہے جو کہ مقام ھجر سے ہیں۔

جواب - 2 - یہ اوصاف کی قید دوسری حدیث میں ثابت ہے۔

[الماء لا ینجسہ شیءٌ الا ما غلب علی لونہ او طعمہ اور ریحہ]

مالکیہ کے جواب پر جرح

اگر تم قلتین کو کوئی خاص مقدار کے لئے متعین کرسکتے ہو تو دوسروں کے لئے بھی جائز ہے کہ وہ الماء کو خاص پانی کے لئے متعین کریں۔

مالکیہ کی طرف سے جواب : اگر تم نے ماء البئر کو نجس قرار دیا نجاست گرنے سے تو مناسب تھا کہ وہ بیر کبھی پاک نہیں ہوتا اس لئے کہ دیواروں نے ناپاکی کو جذب کرلیا اور دیوار کے اندر پانی بھر گیا تو اب تو دیواروں کو توڑ دیا جانا چاہئے۔

مالکیہ کے جواب پر جرح : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ایسا نہیں کیا اور عادت اس کے خلاف چلی آرہی ہے۔ اور یہ اشکال بھی نہیں کیا جاسکتا کہ بیر کو برتن کی طرح دھویا کیوں نہیں جاتا اس لئے کہ یہ محال ہے اس لئے وہ پانی اس میں واپس جائے گا

★★★

 ★ 2 - باب سؤر الهر ★

جانور کے لعاب کا کیا حکم ہے

امام صاحب کا راجح قول اور امام محمد رحمہ اللہ کا اصح قول:
مکروہ تنزیہی الا عند الضرورۃ یسقط الکراھۃ
ائمہ ثلاثہ و ابو یوسف رحمہم اللہ: طاہر بغیر کراھۃ
امام طحاوی رح: نجس و مکروہ تحریمی [امام صاحب کا مرجوح قول]
امام طحاوی رحمہ اللہ نے جو قول امام محمد رحمہ اللہ کا بیان کیا ہے جو کہ
اصح نہیں ہے۔ جو کہ امام رحمہ اللہ کا مرجوح قول ہے۔

★ ائمہ ثلاثہ و ابو یوسف رحمہم اللہ کی دلیل ★

1) حدیث: 47: ان ابا قتادہ رضی اللہ عنہ دخل علیھا [کبشہ]
فسکبت ----- فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: [انھا لیست
بنجس، انھا من الطوافین علیکم او الطوافات]

2) حدیث: 49: عن عائشہ رضی اللہ عنھا قالت: [کنت اغتسل انا و
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الاناء الواحد، وقد اصابت الھرۃ
منہ قبل ذلک]

آپ حضرات نے جو دلیل پیش کی ہے اس سے واضح طور پر معلوم
نہیں ہوتا کہ جھوٹا نجس نہیں ہے ہو سکتا ہے کہ جس طرح کتا نجس العین
نہیں ہے مگر جھوٹا نجس ہے۔

★ تو ان حضرات کے خلاف طرفین رحمہما اللہ کی دلیل ★

حدیث: 53: عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم قال: [طھور الاناء اذا ولغ (منہ ڈالے) فیہ الھر
ان یغسل مرۃ او مرتین] قرۃ شک

کے قول کو یا کہ یہ حدیث مضطرب ہے اور راوی کے لحاظ کے اعتبار سے بھی تو یہ مخالفت کرتی ہے۔
کے بعض مرتبہ محمد بن سیرین رحمہ اللہ جو حدیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم
سے مرفوعًا نقل نہیں کرتے اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ حدیث کے معاملہ احتیاط
کرتے ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہو
ہاں تو اسکا جواب یہ ہے کہ ابو ھریرہ کی طرف سے یہ قول بھی ثابت ہے
کہ کل حدیث ابی ھریرہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

P: 3

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جو حضرات سؤر الھر کو نجس قرار دیتے ہیں ان کی دلیل

حدیث 58: عن ابن عمر رضی اللہ عنھما: انہ کان لا یتوضأ بفضل الکلب والھر، وما سوی ذلک فلیس بہ بأس

★ اعتراضات علی ائمہ ثلاثہ وابو یوسف رحمہم اللہ من جانب الطرفین

1) ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث دلیل نہیں بن سکتی اس لئے کہ اسکا مفہوم واضح نہیں ہے ممکن ہے کہ مراد [انما لیست بنجس] سے کپڑوں کو چھونے کے اعتبار سے ہو۔

2) ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے فعل ہے جو کہ برتن کو انہوں نے جھکایا جواز پر استدلال نہیں کیا جا سکتا

3) عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی سند میں کمزوری پائی جاتی ہے۔

★ امام طحاوی رحمہ اللہ کے اختیار کیا ہوا مذہب (قول) جو کہ امام صاحب کا مرجوع قول ہے، کہ نجس ہے سؤر الھر جسکی عقلی طور پر دلیل پیش کرتے ہیں

★ لحم کی 4 چار قسمیں ہیں۔

1) لحم طاھر ماکول ہے سؤرہ طاھر : مثال: ابل

2) " " غیر " " " " : انسان

3) لحم حرام و نجس ہے " حرام : " : کلب

4) لحم قد نُهِيَ عن اکلہ : سؤرہ مکروہ تحریمی : مثال: ھِرّ

★ تو ھرہ 4th میں پائی جاتی ہے تو اسکا سؤر بھی مکروہ تحریمی ہوگا۔

★★★

53 ★ باب سؤر الکلب ★ - 3

★ مسئلہ: جن لوگوں کے نزدیک سؤر الکلب نجس ہے ان کے نزدیک اس برتن کو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے جس میں سؤر الکلب تھا۔

★ مذھب اول: سؤر الکلب سے برتن 7 مرتبہ دھونے سے پاک ہوتا ہے

مسالک: شوافع و حنابلہ: 6 مرتبہ پانی سے 1 مرتبہ مٹی سے دھونے سے پاک ہوتا ہے

مالکیہ: **برتن تو** پاک ہے لیکن 7 مرتبہ دھونا ضروری ہے حدیث کی وجہ سے

★ مذھب ثانی: [احناف] 3 مرتبہ دھونے سے پاک ہو جائے گا

★ مذھب ثالث: [حسن بصری] 7 مرتبہ پانی سے 1 مرتبہ مٹی سے دھونے سے پاک ہوگا۔

★ دلیل مذهب اول ★

حدیث : 67 : عن ابی هریرہ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا ولغ الکلب فی الاناء فاغسلوہ سبع مرات ، حدیث : 67 to 71

★ دلیل المذهب الثانی [احناف] ★

1) حدیث : 73 : ان اباهریرہ رضی اللہ عنہ کان یقول ، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ـــ حتی یفرغ علیها مرتین او ثلاثا ـــ ـــ ـــ اس بات بدہ؟
حدیث 72 to 78

اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کوئی بھی نجاست ہو 3 مرتبہ پانی سے دھونے سے پاک ہو جاتا ہے، اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس ہاتھ پر پیشاب و پاخانہ لگا ہو صرف 3 مرتبہ دھونے سے پاک ہو جائے گا جو کہ سؤر الکلب سے زیادہ غلیظ ہے تو سؤر الکلب تو بطریق اولی 3 مرتبہ دھونے سے پاک ہو جائے گا، حکم ایک ہی ہو گا پاکی حاصل کرنے کا۔

2) حدیث : 79 : عن ابی هریرہ رضی اللہ عنہ فی الاناء یلغ فیه الکلب او الهر قال : یغسل ثلاث مرات]

فصل اول (حدیث 67) میں ابو هریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے 7 مرتبہ دھونے کا حکم کو نقل فرمایا ہے، اور اس حدیث 79 میں انکا فتوی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد انہوں نے دیا ہے اس پہلی حدیث (67) کے خلاف ہے تو اس سے نسخ ثابت ہوتا ہے پہلے حکم کا۔

★ دلیل المذهب الثالث (الحسن البصری) ★

حدیث : 80 : عن عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر بقتل الکلاب ثم قال : ((مالی وللکلاب)) ـــ ـــ ـــ ـــ فلیغسله سبع مرات، وعفروا الثامنة بالتراب))

1) اصول ہے کہ ((الزائد اولی من الناقص) جب ہم 8 مرتبہ والی حدیث پر عمل کریں تو دونوں حدیث پر عمل ہو جائے گا 7 مرتبہ اور 3 مرتبہ والی حدیث، اس وجہ سے عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی حدیث پر عمل کرنا بہتر ہے ابو هریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے

2) حسن بصری رحمہ اللہ کا فتوی اس آخری حدیث پر ہے تو یہ اشکال نہ کیا جائے کہ عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی روایت غیر معمول بہا ہے۔

P: 4

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[باب - 3 ، P.53]

[احناف]

★ رد علی المذھب الاول من جانب المذھب الثانی] ★

امام حسن بصری رضی اللہ عنہ نے جو اصول بیان کیا جو کہ ایک عام اصول ہے [الزائد اونی من الناقص] اس پر تم نے عمل نہیں کیا تو ہم پر بھی لازم نہیں ہے کہ ہم اس پر عمل کرے ،

[احناف] [مالکیہ] الاول

★ رد علی المذھب ~~الاول~~ من جانب المذھب الثانی ★

عقلی دلیل کی بنیاد پر : سؤر کا وہ حکم ہوگا جو گوشت کا حکم ہے ، اور کتے کا گوشت حرام ہے تو اس کا سؤر بھی حرام ہوگا ، تو جب کتے نے برتن میں اپنا منھ ڈالا تو ناپاک چیز پانی میں گئی تو اس لحاظ سے پانی و برتن دونوں نجس ہو جائے گیں ، یہ جواب اس وجہ سے دینا پڑا کیوں کہ مالکیہ کہتے ہیں کہ پانی اور برتن پاک ہے صرف دھونے کا حکم حدیث کی وجہ سے ہے ،

★ مالکیہ کا جواب ★

یہ جو آپ نے قیاس کیا وہ صحیح نہیں ہے اس وجہ سے کہ یہ برتن دھونے کا حکم امر تعبدی ہے تو اس میں قیاس کو کوئی دخل نہیں ہے ،

★ رد علی جواب المالکیہ من الاحناف ★

تمہارے نزدیک کتا من جملہ درندوں میں سے ہے اور تمہارے نزدیک اسکا جھوٹا پاک ہے ، تو پھر اس حدیث کا کیا معنی ہے [اذا کان الماء قلتین لم یحمل خبثا] کیوں کہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ درندوں کا جھوٹا نجس ہے اس لئے اگر درندہ اپنا منھ ڈالے پانی میں اور وہ ایک قلہ ہو یا دو قلتین سے کم ہو تو تمہارے نزدیک بھی نجس ہو جاتا ہے ، تو اس لحاظ سے سؤر الکلب بھی نجس ہے ،

★ امام طحاوی رحمہ اللہ کے نزدیک قلتین کی حدیث ثابت ہے اس لئے اس کو دلیل کے طور پر استعمال کررہے ہے لیکن اکثر علماء کے نزدیک حدیث قلتین ضعیف ہے ،

★★★

P:5

بسم اللہ تعالیٰ

★٤- باب سؤر بنی آدم - P:57★

★ترجمة الباب★

اس باب میں بنی آدم کے جھوٹے کے بارے میں بحث کی گئی ہے۔ مشرک اور غیر مسلم کے جھوٹے کے بارے میں بعض کے نزدیک [انما المشرکون نجس] کی وجہ سے نجس ہے اور بعض کے نزدیک طاہر اور بعض کے نزدیک مکروہ قرار دیا گیا ہے۔ لیکن مسلمانوں کے جھوٹے کے بارے میں اتفاق ہے کہ وہ پاک ہے لیکن فرق اتنا ہے کہ مرد کا جھوٹا عورت کے لئے اور عورت کا جھوٹا مرد کے لئے طہارت حاصل کرنے کے لئے استعمال کرنا کیا جائز ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔

اسی طریقے سے پانی حاصل کرنے میں اس باب کو بیان کیا جا رہا ہے کہ پہلے عورت یا مرد ایک برتن سے غسل کرے پھر اس برتن کے بچے ہوئے پانی سے مرد یا عورت غسل کرے تو دوسرے کے لئے کیا حکم ہے اس پانی کے استعمال کرنے کے متعلق۔

★مسائل★

1) مرد اور عورت جب ساتھ ساتھ میں (ایک برتن سے) پاکی حاصل کرنا شروع کرے: یجوز بالاتفاق
2) مرد پہلے ایک برتن کے پانی سے پاکی حاصل کرے پھر اس کے بچے ہوئے پانی سے وہ عورت پاکی حاصل کرے: یجوز بالاتفاق
3) عورت پہلے پانی استعمال کرے پھر مرد وہ پانی استعمال کرتا ہے: مختلف فیہا

★مذاهب★

1) امام احمد رحمہ اللہ: مرد اس بچے ہوئے پانی سے پاکی حاصل نہیں کر سکتا
2) ائمہ ثلاثہ: مرد اس بچے ہوئے پانی سے پاکی حاصل کر سکتا ہے۔

★دلیل فریق المخالف★

حدیث 83: عن عبد اللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يغتسل الرجل بفضل المرأة ------

اس حدیث سے انہوں نے ثابت کیا ہے کہ مرد عورت کا بچا ہوا پانی استعمال نہیں کر سکتا ہے

★ رد علی فریق المخالف ★

1) فریق مخالف کی پیش کردہ روایات قابل استدلال نہیں اس لئے کہ یہ حکم پہلے تھا بعد میں منسوخ ہو گیا

2) یہ بھی احتمال ہے کہ ان میں نہی کا حکم نہی تنزیہی ہے اور ہم بھی تو اس کے یعنی نہی تنزیہی کے قائل ہے،

3) پیش کردہ روایات ضعیف ہے تو قابل استدلال بھی نہیں

4) اگر یہ بھی تسلیم کرے کہ عورت حیض اور نفاس کی وجہ سے زیادہ پاک نہیں رہتی تو اسکے ہاتھ اور پیر پر ناپاکی لگی ہونے میں شک و تردد ہوتا ہے لیکن پھر کہا جائے گا کہ یہ تو صرف وہم اور شک ہے اور قاعدہ کلیہ [الیقین لا یزول بالشک]

★ دلیل الجمہور ★

حدیث: 112 :- عن ابن عباس رضی اللہ عنھما : ان بعض ــــ ــــ ــــ فقال صلی اللہ علیہ وسلم (ان الماء لا ینجسہ شی) بظاہر یہ حدیث میمونہ رضی اللہ عنھا کی ہے یہ حدیث سب سے قوی ہے اس باب میں ، اس لئے پہلے ان کی زوجہ نے وضوء کیا اسی پانی سے اور اس کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس برتن استعمال کرنے سے روک رہی ہے ، جس میں سے انہوں نے وضو کیا تھا ، اور اس کے بعد باوجود رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا اور فرمایا : [ان الماء لا ینجسہ شی] میمونہ رضی اللہ عنھا کے روکنے سے ثابت ہو تا ہے کہ حکم ایک وقت لا یجوز کا مشروع تھا بعد میں منسوخ ہو گیا اس حدیث سے۔

★ عقلی دلیل ★

دو شخص میاں بیوی ایک ساتھ وضو کرے تو صحیح ہے اس برتن میں کوئی نجاست نہیں گرے گی، تو ایک کے بعد دوسرے نے اس برتن کے بچے ہوئے پانی سے پاکی حاصل کرے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہو گی۔

★★★

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

5 ★ باب التسمیہ علی الوضوء ★

★ جمہور: مسنون

★ امام احمد رحمہ اللہ فی روایۃ واحدۃ: شرط الصحۃ الصلاۃ ہے، فرض کے درجہ میں۔

★ امام احمد رحمہ اللہ کی دلیل ★

حدیث: 113: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: [لا صلاۃ لمن لا وضوء لہ، ولا وضوء لمن لم یذکر اسم اللہ علیہ]

★ جمہور کی دلیل ★

حدیث: 116: عن مہاجر بن قنفذ رضی اللہ عنہ: انہ سلم علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو یتوضأ، فلم یرد علیہ، فلما فرغ من وضوئہ قال: انہ لم یمنعنی ان ارد علیک الا انی کرہت ان اذکر اللہ الا علی طہارۃ]

تو بظاہر امام طحاوی رحمہ اللہ نے یہ حدیث کو دلیل کے طور پر لیا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو سے پہلے بسم اللہ نہیں پڑھا تھا۔

★ اعتراضات علی مسلک امام احمد رحمہ اللہ ★

1) آپ نے جو حدیث دلیل کے طور پر پیش کی ہے ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد اسکا وضوء مکمل نہیں ہوا ثواب کے اعتبار سے جیسے کہ حدیث میں آتا ہے [لیس المسکین الذی یردہ التمرۃ والتمرتان واللقمۃ واللقمتان] تو اسکا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ شخص مسکین نہیں ہے اور زکاۃ کا مستحق بھی باقی نہیں رہا، بلکہ وہ مسکین کامل نہیں رہا۔

2) اور اگر لا وضوء ـــ والی حدیث کو مہاجر بن قنفذ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے معنی کے موافق نہیں کرے تو تعارض واقع ہوگا۔

★ جمہور کی عقلی دلیل ★

1) تسمیہ ایک کلام ہے اور کلام صرف 2 دو چیزوں میں کرنا لازم ہے۔
1: عقود [بیع، نکاح وغیرہ] 2: عبادات [تکبیر تحریمہ، تلبیہ]
تو عقود میں کلام کرنے سے بیع و شراء وغیرہ لازم آجاتا ہے۔ اس لحاظ سے عبادات میں تحریمہ کہنا رکن ہے اس سے نماز میں انسان شامل ہوجاتا ہے اور تلبیہ کہنے سے احرام میں داخل ہوجاتا ہے تو ان دونوں چیزوں پر تسمیہ کا قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، نہ تو رکن ہے اور نہ تو شرط صحۃ ہے۔

2) تسمیہ کو ذبیحہ پر قیاس نہیں کر سکتے کیونکہ اگر کوئی شخص عمداً تسمیہ چھوڑے ذبح کرتے وقت تو وہ حرام ہوگا نہ کہ ناسیاً کی حالت میں اور اس مسئلہ میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے ائمہ کے درمیان تو اس ذبیحہ کا قیاس کرنا کہ بسم اللہ کی حالت میں وضو ہو جائے گا اور تسمیہ کی حالت میں نہیں ہوتا وہ قیاس صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ ذبیحہ میں تسمیہ کا مقصد ذابح کی ملت کو ظاہر کرنا ہے اور وضوء میں تسمیہ سے یہ مقصد نہیں ہے تو یہ قیاس مع الفارق ہوا۔

3) وضوء ایک سبب ہے نماز کے لئے تو اب ہم دوسرے سبب کی طرف دیکھیں جو کہ نماز کے لئے ضروری ہے، اس میں ہمیں معلوم کرنا ہے کہ کیا اس میں بھی تسمیہ کہنا لازم ہے، اگر وہاں لازم نہیں تو اب ہمیں یہاں کیسے لازم کر سکتے ہیں جیسے کہ ستر العورہ وغیرہ۔۔۔

★★★

6 - ★ باب الوضوء للصلاة مرةً مرةً وثلاثاً ثلاثاً ★

P: 61

تین مرتبہ وضو کرنا (دھونا) : سنة

ایک " دھونا : فرض

دلیل السنة : [عن علي رضي الله عنه: انه توضأ ثلاثاً ثلاثاً ثم قال: هذا طهور رسول الله صلى الله عليه وسلم]

دليل الفرض: [عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم مرةً مرةً]

★★★

P: 7 بسم اللہ الرحمن الرحیم

★ باب فرض مسح الرأس فی الوضوء ★ 7 P: 65

مالکیہ اور حنابلہ : استیعاب

احناف : ربع الرأس

شافعیہ : ما یطلق علیہ اسم المسح ! کیونکہ کتاب میں مذکور نہیں ہے

مالکیہ و حنابلہ کی دلیل :-

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : انہ اخذ بیدہ فی الوضوء للصلاۃ ماء فبدأ بمقدم رأسہ ثم ذھب بیدہ الی مؤخر الرأس ، ثم ردّھما الی مقدمہ ۔۔۔

★ اعتراض علی مالکیہ و حنابلہ

اس حدیث سے یوں تو ثابت نہیں ہو رہا کہ استیعاب واجب ہے سنۃ کے حکم میں بھی ہو سکتا ہے اور ہم تو استیعاب کو سنت کہتے ہیں ۔

★ احناف کی دلیل

- حدیث : کنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر فتوضأ للصلاۃ فمسح علی عمامتہ وقد ذکر الناصیۃ بشیء

- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرض مقدار ربع الرأس ہے (علی عمامتہ) سے مراد یہ نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمامہ پر صرف مسح کیا بلکہ ربع الرأس کے بعد عمامہ پر مسح کیا ورنہ فرضیت (ربع الرأس) ادا نہیں ہوتی صرف عمامہ پر مسح کرنے سے

★★★

- عقلی لحاظ سے بھی مسح علی العمامہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ وہ خلاف قیاس ہے، ہم اس کو دوسرے اعضاء پر قیاس کرتے ہیں جن پر مسح ہوتا ہے خفین پر اس وقت مسح صحیح ہوگا جب کہ وہ پورے پیر کو ڈھانپے ہوئے ہو۔ اگر کوئی حصہ پاؤں کا نظر آتا ہے تو پھر پاؤں دھونا لازم آئے گا اور اگر کچھ حصہ کے دھونا لازم آئے تو پورے پیر کا دھونا لازم آئے گا کیونکہ جمع بین الغسل والمسح جائز نہیں ہے۔ اور حدیث میں معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدار الناصیۃ پر مسح کیا تھا تو اس وقت مقدار الناصیۃ یعنی ربع الرأس کھلا ہوا تھا اور عمامہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہنے ہوئے تھے اور کھلے ہوئے حصہ کو دھونا ضروری ہوتا ہے اور ڈھانپے ہوئے حصہ پر مسح کرنا ہوتا ہے۔ [اگر ہم فرض کرے کے ڈھانپے ہوئے حصہ پر مسح ہر دفعہ کر سکتے ہیں جیسے خفین میں ہوتا ہے] لیکن یہ جائز نہیں ہے کہ جمع بین غسل والمسح ہو، تو صرف فرض مقدار معلوم ہوئی جو کہ ربع الرأس ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع نہیں کیا غسل و مسح کو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمامہ پر مسح فضیلت کے لئے کیا تھا۔

★ احناف کی عقلی دلیل ★

- مسح الرأس کا حکم معلوم کرنے کے لئے دوسرے اعضاء پر قیاس کرنا پڑیگا۔

- اعضاء کے دو (2) اقسام ہیں۔

1 - وہ اعضاء جن میں حکم غسل کا ہوتا ہے، تو استیعاب شرط ہے

2 - " " " " مسح کا " " " " نہیں ہے

- جیسے خفین میں بالاتفاق استیعاب شرط نہیں اس طرح مسح علی الرأس کا حکم ہوگا اگرچہ اختلاف ہے کہ خف کے باطن پر مسح ضروری ہے یا ظاہر پر۔

- مسح الرأس کو ہم خفین پر قیاس کرتے ہیں (جو کہ دوسری قسم میں سے ہے) اور دونوں کا حکم ایک ہوگا تو مسح الرأس میں بھی استیعاب شرط نہیں ہے

★★★

P: 8

بسمہ اللہ تعالیٰ

(8)

★ باب [redacted] حکم الأذنین في وضوء الصلاة ★ 68

ائمہ اربعہ: دونوں کانوں پر مسح کرنا ہے
عامر شعبی، ابن سرین، اسحاق بن راھویہ: کانوں کے آگے یعنی سامنے والے حصہ کو دھویا جائے گا اور پیچھے والے حصہ پر مسح کیا جائے گا۔

★ مخالفین کی دلیل ★

حدیث: 115 :- دخل علی رضی اللہ عنہ ------- ذکر فیہ: انہ اخذ حفنۃ من ماء بیدیہ جمیعا فصک ------ ثم القم ابہامیہ اپنے انگوٹھے کو داخل کیا ------ ثم مسح رأسہ وظہور أذنیہ کا
تو اس سے معلوم چلتا ہے کہ ظاہر یعنی سامنے والے حصہ کو دھویا اور پیچھے والے پر مسح کیا۔

★ ائمہ اربعہ / جمہور کی دلیل ★

حدیث: عن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ: انہ توضأ فمسح برأسہ وأذنیہ ظاہرھما وباطنھما وقال: ھکذا رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتوضأ:
- اس طرح کی احادیث تواتر سے منقول ہے۔

★ ائمہ اربعہ و جمہور کی عقلی دلیل ★

کان کا قیاس سر پر ہوگا تو جو سر کا حکم ہے وہی کان کا بھی ہوگا۔
1) سر پر قیاس کرنے کی وجہ:- اگر کوئی عورت احرام کی حالت میں ہے، تو اس کو چہرہ ڈھانپنے کی اجازت نہیں ہے، لیکن سر ڈھانپنے کی اجازت ہے اور بالاتفاق عورت کو اجازت ہے کان کے ظاہر و باطن حصے کو ڈھانپنے کی، تو یہ دلالت کرتا ہے کہ کانوں کا حکم وہی ہوگا جو سر کا ہوتا ہے۔

2) اتفاق ہے کہ کان کے باطن حصہ پر مسح کیا جاتا ہے اور یہ بھی مسلم ہے کہ تمام اعضاء میں صرف ایک حکم ہوتا ہے، یا تو غسل یا تو مسح تو ادھر بھی صرف ایک ہی حکم ہونا چاہیے جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ کان کے باطن حصہ پر مسح کرنا ہے تو اب ظاہر حصہ پر بھی مسح ہی کرنا ہوگا۔

★ جمع بین الغسل والمسح جائز نہیں ہے ★

★★★

P: 72

★ 9- باب فرض الرجلین فی وضوء الصلاۃ ★

روافض :- مسح کرنا پیروں پر فرض ہے۔
اھل سنۃ والجماعت :- غسل فرض ہے۔

★ روافض کی دلیل ★

حدیث : 166 :- نزال بن سبرۃ قال : رأیت علیاً ۔۔۔ ومسح برأسہ ورجلیہ ۔۔۔۔۔۔ وھذا وضوء من لم یحدث

حدیث : 164 :- عن علی رضی اللہ عنہ : انہ توضأ فمسح علی ظھر القدم وقال : لولا انی رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فعلہ لکان باطن القدم احق من ظاھرہ۔

★ اعتراضات علی الروافض ★

1) پہلی حدیث سے مسح علی الرجلین ثابت نہیں ہوتا، اس حدیث کے الفاظ [ومسح برأسہ ورجلیہ] میں مسح غسل خفی کے معنی میں بھی آتا ہے اور اس حدیث کے شروع میں ہے کہ [فمسح بوجھہ] اور چہرہ بالاتفاق چہرے پر غسل لازم ہے تو اس حدیث سے مراد غسل مراد ہے، مسح بمعنی غسل میں ہے، تو جب چہرے کے معاملہ میں مسح غسل کے معنی میں آرہا ہے تو رجل (پیر) جو مسح سے متعلق ہے تو اس میں بھی غسل کا ہی معنی لے سکتے ہیں، اور مسح علی الراس کے بارے میں تو قرآن کی آیۃ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسح ہی کرنا ہے۔۔۔۔۔
اور حدیث کے آخر میں ہے کہ [ھذا وضوء من لم یحدث] تو اس حدیث سے وضوء علی الوضوء بالنیۃ الثواب کا جواز ثابت کرنا مقصود ہے، اور اس حدیث کی سند میں اختلاف ہے اور ملانی میں بھی، تو اس وجہ سے روافض کا استدلال کرنا صحیح نہیں ہوا۔

2) روافض کی دوسری دلیل سے مسح علی الرجلین پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ خفین پہنے ہوئے تھے۔

★ جمہور کی دلیل ★

1 حدیث : 173 : دخل علی رضی اللہ عنہ ۔۔۔۔ وغسل رجلیہ ثلاثا۔۔۔ طھور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

2 حدیث : 187 : عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ ان ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ووضأ قدمیہ [وضأ بمعنی غسل]

P: 9

بسمہ اللہ تعالیٰ

[باب ، P: 72:9]

3) دوسری احادیث سے پاؤں دھونے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے
حدیث: 295 :- [ابا ھریرہ یقول : ـــ ـــ . فیغسل سائر رجلیہ الا خرج مع قطر الماء کل سیئۃ مشی بھما الیھا]
تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسح فرض ہوتا تو دھونے میں کوئی ثواب نہیں ملتا جس طرح سر پر مسح کرنا فرض ہے تو اس کے دھونے میں کوئی ثواب نہیں

4) اور احادیث میں ان لوگوں کے لئے وعید بیان فرمائی ہے جنہوں نے اپنے پیروں کو وضو کرتے وقت صحیح طریقہ سے نہیں دھویا،
حدیث: 207 :- [عن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [ویل للاعقاب من النار ، اسبغوا الوضوء] وضو مکمل کرو]
تو اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وضوء میں پیروں کا حکم غسل ہے،
اگر ہم یہ بات تسلیم بھی کرلیں کہ پہلے مسح کا حکم تھا تو اب بعد میں وہ حکم منسوخ ہوگیا اور یہی حدیث شیعہ کے تمام دلائل کے خلاف پیش کی جاسکتی ہے، جہاں مسح علی الرجلین واقع ہوا ہو،

★ جمہور کی عقلی دلیل ★

یہ بات تو مسلّم ہے کہ غسل الرجلین میں فضیلت ہے اور یہ بات بھی مسلّم ہے کہ غسل الرأس فرض نہیں ہے بلکہ اس پر مسح فرض ہے، اور اسکے دھونے والے کو فضیلت کچھ حاصل نہیں ہوتی تو حاصل یہ نکلا کہ دونوں چیزیں الگ ہیں تو حکم بھی الگ ہوگا، غسل الرجلین کا حکم فرض ہوگا اس میں فضیلت ہونے کی وجہ سے، اور غسل الرأس کا حکم فرض نہیں تو اس میں کوئی فضیلت نہیں Repeat IDK ☺

★ اختلاف کی بنیاد ★

روافض: قرآن کی آیۃ: [ارجلکم] مجرور ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عطف امسحوا پر ہے تو حکم معطوف علیہ اور معطوف کا ایک ہی ہوگا،

★ رد علی الروافض ★

1) [ارجُلِکم] :- حالت نصب میں ہے لیکن مجرور ہے اس کے پڑوس میں ہونے کی وجہ سے اور یہ کلام عرب میں بہت عام ہے.
2) [ارجُلَکم] :- ہماری قرات کے مطابق تو نصب کے ساتھ ہی منقول ہے،
3) بعض کے نزدیک قرآن نازل ہوا ہے خفین کے بارے میں حکم دیتے ہوئے، اس لئے مجرور ہے [نزل القرآن بالمسح والسنۃ بالغسل]
4) صحابہ رضی اللہ عنھم سے غسل منقول ہے،

★ روافض کی طرف سے عقلی دلیل ★

یہ حضرات یہ عقلی دلیل پیش کرتے ہیں کہ جب پانی موجود نہ ہو تو چہرہ اور ہاتھ دھونے کا فرض ساقط ہو کر ان پر تیمم فرض ہو جاتا ہے اور سر اور پیر کا حکم جو کہ وضوء میں فرض ہے بالکل ساقط ہو جاتا ہے تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پیر کا حکم میں وہی ہو گا جب کہ پانی موجود ہو جو کہ سر کے بارے میں ہے جو کہ مسح کرنا ہے۔

★ جواب الی الروافض ★

ہم نے دیکھا کہ پانی ہونے کی حالت میں پیروں کو دھونے کا حکم ہے اور نہ ہونے کی حالت میں بغیر کسی بدل کی طرف جانے ہوئے اس کے حکم کو ساقط ہی کر دیا ہے، جو کہ وضوء کی حالت میں ہے، ہاں اگر جنابۃ کی حالت میں ہو تب بھی صرف ہاتھ اور چہرے پر تیمم کرنا ہے باقی کسی اعضاء کا کوئی بدل نہیں ہے، تو کیا آپ یہ کہتے ہیں کہ وجود ماء کے وقت بھی چہرہ اور پیرین کے علاوہ پورے بدن پر مسح کیا جائے جس کو آپ بھی نہیں مانتے تو گویا آپ کا قیاس مع الفارق ہوا۔

★★★

★ باب الوضوء هل يجب لكل صلاة ام لا ★ -10 P: 81

سعید بن مسیب / ابراهیم النخعی رحمهما الله ⟵ واجب مطلقا

ظاهریه :- واجب فی حالة الحضر و غیر واجب فی حالة السفر

جمہور :- لا یجب

★ ظاہریہ کی دلیل ★

حدیث : 236 :- قال : صلی لرسول الله صلی الله علیه وسلم - - - -

فقال : ((عمدًا فعلته یا عمر))

ظاہریہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حالت سفر میں ایک وضوء سے ایک سے زائد نماز پڑھ سکتے ہیں اور حالت اقامہ میں ہر نماز کے لئے وضو واجب ہے

★ جمہور کی دلیل ★

حدیث : 238 :- عن جابر بن عبد الله رضی الله عنهما قال ذهب رسول الله صلی الله علیه وسلم الی امرأة - - - - ولم یتوضأ۔۔

اور ظہر و عصر کو ایک وضوء میں پڑھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب - 10

اعتراضات علی الظاهریہ

1) یہ بھی ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیا وضوء کیا فضیلت کو حاصل کرنے کے لئے۔ ابو عبد الرحمن فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوتے سنا حدیث: 239 - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: من توضأ علی طهر کتب اللہ لہ بذلك عشر حسنات۔

2) یہ بھی ممکن ہے کہ یہ حکم پہلے واجب تھا اور بعد میں منسوخ ہوگیا چونکہ حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ یہ حکم پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا تھا کہ ہر نماز کے لئے وضوء واجب ہے۔ بعد میں یہ حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم ~~پر~~ مشکل ہوگیا تو یہ حکم منسوخ ہوگیا اور مسواک کا حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہر نماز کے لئے۔ جو کہ آپ کے علاوہ کسی پر واجب نہیں تھا۔

اعتراضات علی من ادعی وجوب الوضوء لکل صلاۃ مطلقا مقیما کان او کان مسافرا

گویا کہ ہماری طرف سے عقلی دلیل

1) طہارت کے دو اقسام ہے 1) غسل 2) وضوء۔
حدث اکبر میں غسل اور اصغر میں وضوء لازم ہوتا ہے۔
حدث اکبر میں کسی بھی صورت میں وقت کے گزرنے سے ~~وضوء~~ طہارت ٹوٹتی نہیں تو تو اس پر قیاس کرتے ہوئے حدث اصغر میں بھی وقت کے گزرنے سے وضوء نہیں ختم ہوگا۔

2) مسافر بالاتفاق ایک وضوء سے تمام نماز ادا کرسکتا ہے۔ اور جن اسباب سے مسافر کا وضوء وغسل ختم ہوجاتا ہے (جماع، احتلام، غائط، بول) وہی اسباب سے مقیم کی طہارت بھی ختم ہوجاتی ہے تو دونوں کا حکم ایک ہی ہونا چاہئے۔ تو مسافر کا حکم ہی مقیم کا بھی ہوگا۔ اور خفین پر مسح بھی دونوں کی مدۃ ختم ہوجانے پر دوبارہ لازم آتا ہے پیر دھونا جس میں اصل توڑنے والی چیز مسح میں مدۃ ہے جس کا ہی مقیم

اور مسافر میں اعتبار کیا گیا ہے تو اب اس پر قیاس کرتے ہوئے ہی
ہم کہتے ہیں کہ دونوں کا حکم ایک ہی ہونا چاہیے، کہ مقیم بھی ایک
وضوء سے جتنی نماز چاہے پڑھ سکتا ہے

★ اور احادیث سے بھی ثابت ہو چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم
کے صحابہ ایک وضوء سے جتنی نماز چاہے پڑھتے تھے۔

★ قرآن کی آیۃ: [اذا قمتم الی الصلاۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم]
اس آیۃ سے بھی وضوء لکل صلاۃ ثابت نہیں ہو رہا ہے اس سے مراد
تو یہ ہے کہ حدث کے بعد جب تم قیام کرو تو اس وقت وضوء واجب ہے

★★★

P:86 ★11: باب الرجل یخرج من ذکرہ المذی کیف یفعل★

خروج المذی کا حکم:

مسالک ★: ابن شہاب الزہری :- غسل المذاکیر [ذکر، خصیتین]
شوافع و احناف :- غسل موضع النجاسۃ
حنابلہ و مالکیہ :- فی روایۃ غسل المذاکیر وفی روایۃ غسل موضع النجاسۃ

★ دلیل اھل مقالۃ الاولی [ابن شہاب]

1) حدیث 261 :- عن رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ: ان علیًا امر عمارًا ان
یسأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المذی فقال: یغسل مذاکیرہ ویتوضأ،

★ رد علی اھل مقالۃ الاولی★

1) حدیث مذکور سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل مذاکیر کا حکم فرمایا اور اس میں
تخصیص وضوء کا حکم نہیں فرمایا، اور یہ اس لئے فرمایا کہ مذی نکلنا بند ہو جائے، جب
مذاکیر پر پانی ڈالیں گے تو عضو سکڑ جائے گا، اور مذی بند ہو جائے گی، جس طرح محرم بالحج
کے لئے اپنے ھدی کے جانور پر اس طرح پانی چھڑکنے کا حکم ہے تاکہ دودھ بند ہو جائے،
تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علاج کے طور پر فرمایا تھا، ایک طبی حکم ہے جو کہ مستحب کے درجہ میں ہوگا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(باب - 11 - P : 86)

2) متعدد متواتر آثار کے ذریعہ علی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ خروج المذی کی صورت میں صرف موضع النجاسۃ کو دھونا لازم ہے۔

حدیث : 263 :- عن ابن عباس رضی اللہ عنھما قال : قال علی رضی اللہ عنہ ---- فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [فیہ الوضوء]

تو اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ خروج مذی کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضوء واجب فرمایا ہے امور تعبدیہ میں سے ہونے کی وجہ سے، باقی رہے ذکر اور انثیین کو دھونا تو طبی طور پر فرمایا ہے۔ اب رہی موضع نجاست کی بات تو وہ تو کوئی امر تعبدی نہیں ہے اس میں تو ہم نے قیاس کیا ہے کہ دوسری جگہ جب نجاست لگی ہوئی ہو تو دھویا جاتا ہے اس طرح اس کو بھی دھویا جائے گا۔

اور ہمیں سھل بن حنیف رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی معلوم چلتا ہے کہ مذی کے خروج میں وضوء کے علاوہ اور کوئی چیز لازم نہیں ہے حدیث : 273

★ اعتراض من اھل مقالہ الاولی ★

عمر رضی اللہ عنہ نے مذا کیر کے دھونے کا حکم فرمایا ہے حدیث : 274

★ جواب الاعتراض من اھل مقالہ الاولی ★

1) عمر رضی اللہ عنہ کا فتوی وجوب کے لئے نہیں بلکہ استحباب کے لئے تھا علاج اور طبی غرض سے۔

2) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ اور تابعین کا فتوی اس پر ہے کہ اس جگہ کو دھونا لازم ہے جس پر نجاست لگی ہوئی ہو۔

★ دلیل اھل مقالۃ الثانی ★

1) متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ صرف موضع نجاست کو دھونا ہے۔

2) اجماع الصحابہ اور تابعین

عقلی دلیل 3) خروج المذی حدث ہے اب ہم دوسری حدث کو دیکھی جائے کہ اس میں کیا حکم ہے جیسے کہ خون، پیشاب، پاخانہ، ان میں موضع نجاست کو دھویا جاتا ہے تو اس میں بھی موضع نجاست کو دھویا جائے گا۔

★★★

P: 12
P: 89

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

12 - باب حکم المنی هل هوَ طاهرٌ ام نجس؟

★ مذاهب ★

حنفیہ : مالکیہ :- نجس

شوافع : حنابلہ :- طاهر

امام شافعی رحمہ اللہ :- تمام حیوانات کا منی طاهر الا الکلب و الخنزیر۔

★ دلیل الشوافع و الحنابلہ ★

حدیث : 280 :- عن همّام بن الحارث : انه کان نازلاً علی عائشۃ رضی اللہ عنها فاحتلم فرأته جاریۃٌ لعائشه وهو یغسل اثر الجنابۃ من ثوبه - او یغسل ثوبه - فاخبرت بذلک عائشه فقالت عائشه رضی اللہ عنها : لقد رأیتنی وما ازید علی افرکه من ثوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اس حدیث سے وہ استدلال کرتے ہیں کہ منی پاک ہے اور پاک ہونے کی وجہ سے (وما ازید ----) کہ صرف اس کو فرک لیتی تھی نہ کہ دھونا جو عام طور سے نجاست زائل کرنے کے لیے کرتے ہیں۔

★ دلیل الاحناف ★

حدیث : 297 :- عن عائشہ رضی اللہ عنها قالت : کنت اغسل المنی من ثوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، فیخرج الی الصلاۃ و ان بقع الماء فی ثوبه۔

★ اعتراض علی الشوافع و الحنابلہ ★

1) پیش کردہ حدیث سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ ممکن ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ثوب النوم اور ثوب الصلاۃ مختلف ہو، اور فرک چنا ہو سکتا ہے کہ صرف ثوب النوم کے ساتھ ہو۔

2) ام حبیبہ رضی اللہ عنها کی حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ثوب النوم میں صرف اس وقت پڑھتے تھے جب اس پر کوئی نجاست نہ ہو۔

P: 13 بسم اللہ الرحمن الرحیم

[باب 12، P: 89]

3) عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثیاب النوم میں نماز نہیں پڑھتے تھے

اعتراض علی الاحناف من الشوافع والحنابلہ

حدیث: 301 :- عن عائشہ رضی اللہ عنہا :

قالت: كنت افرك المني من ثوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یابسًا بأصابعي، ثم يصلي فيه ولا يغسله

* اس حدیث سے انہوں نے استدلال کیا ہے کہ منی پاک ہے جس کو عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے کپڑوں سے کھرچ لیتی تھی جس طرح تھوکنے کے کپڑوں پر کھرچ لیتی تھی،

جواب ذلك الاعتراض

1) یہ حدیث منی کے پاک ہونے پر دلالت نہیں کرتی اس لئے کہ ممکن ہے کہ خشک منی کو کپڑوں سے کھرچ لیا جائے کپڑوں کو پاک کرنے لئے، جس پر نعلین کو رگڑ کر پاک کر لیا جاتا ہے، جہاں پانی استعمال کرنے میں زیادہ نجاست پھیلے گی

2) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خشک کی صورت میں دلک (فرکنا ہے) ورنہ تر کی صورت میں غسل لازم ہے،

3) دوسری احادیث منی کے نجس ہونے پر دلالت کرتی ہے،

حدیث: 308 :- عن عائشہ رضی اللہ عنہا انها قالت في المني اذا اصاب الثوب: اذا رأيته فاغسله وان لم تره فانضحه: (چھڑک دو)

امام طحاوی رحمہ اللہ کی طرف سے کچھ نظریں

1) احادیث سے صراحۃً منی کا کوئی حکم معلوم نہیں ہوتا

2) بظاہر معلوم ہوتا ہے منی کا حکم بھی تمام نجاست کی طرح ہی ہے۔ جیسے کہ بول وغائط اس لئے کہ جب بول لگ جائے تو دھویا جاتا ہے، اس طرح منی سے بھی کپڑے کو مذکورہ حدیث کے مطابق پاکی حاصل کرنا ہوگا،

3) صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے زمانہ میں بھی اس مسئلہ میں اختلاف رہا ہے

★★★

P: 14

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

★13: باب الذی یجامع ولا ینزل ★ P: 96

★مذاہب★

جمہور: یجب الغسل۔

عطا بن رباح، ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن، ہشام بن عروہ، داؤد الظاہری:- یجب الوضوء۔

★فریق مخالف کی دلیل★

حدیث: 326

1) عن ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: لیس فی الإکسال الا الطهور

2) حدیث: 330 :- عن ابی سعید رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: الماء من الماء] غسل صرف منی سے لازم ہوتا ہے۔

★جمہور کی دلیل★

حدیث: 336 :- عن عائشہ رضی اللہ عنہا فقالت: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا التقی الختانان اغتسل

★اعتراض علینا★

• یہ حدیث میں صراحت نہیں ہے کہ انزال کی صورت میں غسل واجب ہے۔ غسل کا جو حکم ہے وہ وجوب کے لئے نہیں بلکہ استحباب کے لئے ہے۔

★رد علی فریق مخالف★

1) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ [الماء من الماء] وہ تو احتلام کے بارے میں ہے یعنی خواب میں جماع کیا لیکن کوئی تری خارج میں نظر نہیں آئی تو اس صورت میں غسل لازم نہیں ہوتا

2) دوسری احادیث دلالت کرتی ہے کہ [الماء من الماء] کا حکم ابتداء اسلام میں تھا بعد میں منسوخ ہو گیا۔

حدیث: 346 :- عن ابی بن کعب رضی اللہ عنہ قال: انما کان الماء من الماء فی اول الإسلام فلما أحکم اللہ الامر نہی عنہ۔

P: 15

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[باب: 13 P: 96]

3) وہ احادیث جن میں مروی ہے کہ (فصل اول) میں کہ اکسال میں غسل لازم نہیں ہے انہی صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کے خلاف منقول ہے جس سے معلوم چلتا ہے کہ اکسال کا حکم منسوخ ہے۔ اور انہوں نے پہلے قول سے رجوع کیا ہے

حدیث: 350:- انه سأل زید بن ثابت رضی اللہ عنہ عن الرجل یصیب اهله ثم یکسل ولا ینزل؟ فقال زید: یغتسل فقلت له: ان ابی بن کعب کان لا یری فیه الغسل. فقال زید: ان أُبَیًّا قد نزع [رجع] عن ذلک قبل ان یموت۔

4) عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اکسال کی صورت میں غسل کے لازم ہونے پر اجماع واقع ہو گیا ہے۔

★ عقلی دلائل ★

1) اگر کسی شخص نے زنا کر لیا یعنی دونوں ختانین ملنے میں چاہے انزال کیا ہو یا نہ کیا ہو حد واجب ہو جائے گی اس زانی پر۔ اسی طرح کوئی جماع کرتا ہے علی وجه الشبهه تب مہر لازم ہو جاتی ہے چاہے انزال کیا ہو یا نہ کیا ہو حکم صرف ایک ہی لازم ہوتا ہے تو یہاں بھی کیوں الگ الگ حکم ہوں گے، عام طور پر جب کہ میاں و بیوی جماع کرتے ہیں تب، انزال کرنے اور نہ کرنے کی صورت میں تو معلوم ہوا کہ انزال سے پہلے غسل لازم ہے تو انزال کے بعد بھی غسل لازم ہوگا

2) انصار (کی عورتوں) کا مسلک تھا کہ جماع بلا انزال میں غسل لازم ہوتا ہے صرف عورت پر تو قیاس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ مرد پر بھی غسل کا حکم جاری ہوگا۔ اس لئے کہ وہ مرد بھی اس فعل جماع میں شریک ہے۔

اور عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی تردید بھی کی ہے۔ اور ان انصار کے (کی عورتوں) مسلک کے خلاف فتوی دیا ہے۔

★★★

P:16 بسم اللہ الرحمن الرحیم

P:107 - ١٤- باب اکل ما غیرت النار هل یوجب الوضوء ام لا -

★ مذاهب ★

جمہور :- لا ینقض الوضوء

ابن شہاب الزہری / حسن البصری :- ینقض الوضوء

★ فریق مخالف کی دلیل ★

حدیث: 372 :- عن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ، عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال : توضؤوا مما غیرت النار ۔

★ جمہور کی دلیل ★

1) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسکے خلاف منقول ہے

حدیث: 395 :- عن ابن عباس رضی اللہ عنہما : ان رسول صلی اللہ علیہ وسلم اکل کتف شاۃ ثم صلی ولم یتوضأ ۔

2) یہ بھی احتمال ہے کہ وضوء سے مراد وضوء لغوی ہے یعنی ہاتھ دھونا اور کلی کرنا

3) اکابر صحابہ سے بھی اس کے خلاف منقول ہے

4) عقلی دلیل : کھانا قبل مست النار ناقض الوضوء نہیں ہے تو بعد مست النار کیوں ناقض الوضوء ہے؟

P:117 ★ اکل لحوم الغنم اور لحوم الابل کا حکم ★ (باب NOT)

★ مذاهب ★

جمہور :- لا ینقض الوضوء من اکل لحوم الابل

حضرت ابن شہاب الزہری / امام احمد رحمہ اللہ :- ینقض الوضوء من اکل لحوم الابل

★ فریق مخالف کی دلیل ★

حدیث: 454 :- عن جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ قال : سُئِلَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتوضأ من لحوم الابل؟ قال : (نعم) قیل : افنتوضأ من لحوم الغنم قال : (لا)

★ دلیل الجمہور ★

1) یہ روایت منسوخ ہے

2) وضو سے مراد وضوء لغوی ہے یعنی ہاتھ دھونا اور کلی کرنا اور اس میں چکناہٹ ہونے کی وجہ سے اور بکری کے گوشت میں چکناہٹ نہیں ہوتی ہے تو اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو لغوی کا حکم نہیں دیا

3) غنم اور ابل کا حکم گوشت کے بارے میں ایک ہی ہے جوکہ پاک ہے، ان دونوں کا دودھ بھی حلال ہے، تو جب غنم کے گوشت کے کھانے میں وضو لازم نہیں تو اونٹ کے گوشت کے کھانے میں بھی وضوء لازم نہیں ہوگا

★★★

بسم اللہ الرحمن الرحیم

15: باب مس الفرج هل يجب فيه الوضوء ام؟ P: 119

★ مذاهب: احناف:- لا یجب

شوافع و حنابلہ:- یجب: مطلقاً۔

مالکیہ:- واجب ہے وضو کرنا اگر اس نے فرج کو ہاتھ لگایا شہوۃ کے ساتھ اور باطن الکف سے ہاتھ لگایا ہے (Palm of The Hend) کیوں کہ اس صورت میں خروج المنی کا احتمال ہے۔

★ فریق مخالف کی دلیل ★

حدیث 458:- بسرہ بنت صفوان رضی اللہ عنہا انها سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يَأْمُرُ بالوضوء من مس الفرج ---

★ رد علی فریق المخالف ★

1) یہ روایت ضعیف ہے اس لئے کہ عروہ بن زبیر نے اس حدیث کی طرف توجہ نہیں دی

2) دوسرے علماء نے بھی عروہ بن زبیر سے اتفاق کیا ہے تضعیف کرنے میں جیسے ربیعۃ الرائی [امام مالک رحمہ اللہ کے استاذ] قیاس کرتے ہے کہ جب خون میں ہاتھ ڈالنے سے وضوء نہیں ٹوٹتا تو مس الزکر سے کیوں وضوء ٹوٹیگا۔ حالانکہ خون تو اس سے زیادہ گندی و ناپاک چیز ہے۔

3) فریق مخالف جس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اسکی سند یہ ہے،

حدیث: 458:- حدثنا ابو بکرہ قال حدثنا الحسین بن مهدی قال حدثنا عبد الرزاق قال: اخبرنا معمر عن الزهری عن عروة -----

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ امام زهری نے عروہ سے نقل کیا ہے حالانکہ انہوں نے عروہ سے نقل نہیں کیا، امام زهری نے اپنے شیخ کا نام ذکر نہیں کیا جس سے حدیث انہوں نے سُنی تھی، بلکہ اپنے شیخ کے شیخ کا نام ذکر کیا جس کو اصول حدیث کی اصطلاح میں تدلیس کہتے ہیں، اور تدلیس فریق مخالف کے یہاں انکے اصول کے مطابق حجت نہیں ہے تو گویا کہ یہ حدیث فریق مخالف کے یہاں یہ حدیث قابل استدلال نہیں ہونی چاہیئے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[باب: 25 P:119]

★فریقِ مخالف کی طرف سے جواب★

تدلیس پر اشکال نہیں بنتا ہے اس لئے کہ اس حدیث کی اس آخری سند میں تدلیس واقع ہوئی ہے مگر دوسرے طرق سے بھی یہ حدیث منقول ہے جس میں تدلیس نہیں ہے۔ مثلاً: دوسری حدیث میں امام زھری اور عروہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ابوبکر بن محمد ہے لہٰذا سند متصل ہے۔

★رد علی جواب فریق مخالف★

ابوبکر بن محمد ضعیف راوی ہے لہٰذا یہ روایت قابل استدلال نہیں ہے۔

★جمہور کی دلیل★

1) حدیث: 488:- عن قیس بن طلق عن ابیہ: انہ سال النبی صلی اللہ علیہ وسلم
مس الذکر وضوء؟ قال: [لا] ___

2) بہت سے صحابہ اور تابعین سے یہی مروی ہے کہ مس الذکر میں وضوء لازم نہیں ہے۔

3) عقلی دلائل: 1) جب کہ ہاتھ کے ظاہر حصہ سے اور ہاتھ کے بازو سے ذکر پکڑنے میں وضوء لازم نہیں ہوتا تو باطن الکف سے پکڑنے بھی وضو لازم نہیں ہوگا

2) جب کہ ران جو کہ ستر کا حصہ ہے ذکر سے چھوٹے لگ جائے تو وضوء نہیں ٹوٹتا تو غیر ستر جو کہ اس مسئلہ میں ہاتھ ہے اس کے چھونے سے بھی وضوء لازم نہیں ہوگا۔

★★★

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[باب - 16 :P:130]

2) عمر رضی اللہ عنہ سے اس کے خلاف (حدیث :532) بھی منقول ہے۔
حدیث :562 :- عن سوید بن غفلة قال : اتینا عمر رضی اللہ عنہ ۔
فسأله نُباتَةُ عن المسح على الخفين فقال عمر رضی اللہ عنہ : للمسافر
ثلاثة ایام و لیالیهن و للمقیم یوم و لیلة]۔

3) عمر رضی اللہ عنہ کے دونوں قول میں تطبیق بھی ممکن ہے۔ تین دن مسافر اور مقیم کے لئے ایک دن مسح کا حکم اصل بھی ہے، اور دوسرا قول جو ہے اس میں آپ رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا کہ عقبہ کون سے راستہ سے آئے تھے، اس راستہ میں کوئی پانی ہی نہیں تھا، تو اس صورت میں تو تیمم کا حکم تھا اور اسی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ کتنے دن سے خفین پہنے ہوئے ہو نہ کہ کتنے دن سے مسح کر رہے ہو، کیونکہ تیمم میں خفین اتارنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہوتی تیمم کے فرض میں سے پیر پر مسح کرنا ہے ہی نہیں ۔

4) صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت سے بھی متعدد اسانید سے مسح علی الخفین میں توقیت منقول ہے

1) علی رضی اللہ عنہ
2) عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
3) ابن عباس رضی اللہ عنہما
4) ابن عمر رضی اللہ عنہما
5) ابو زید الانصاری رضی اللہ عنہ

★★★

P: 21

بسم اللہ الرحمن الرحیم

P: 137

17 ★ باب ذکر الجنب والحائض والذی لیس علی الوضوء وقراءتہم القرآن ★

★ مسئلہ: جب کوئی شخص پاکی کی حالت میں نہ ہو تو ذکر اللہ کا کیا حکم ہے،

★ مذاہب ★

1- الحسن البصریؒ، ابو العالیہؒ، عکرمہؒ :- حدث اصغر میں ذکر اللہ جائز نہیں ہے

2- بعض محدثین اور بعض ظاہریہ :- حدث اصغر میں ذکر اللہ جائز نہیں ہے
ہاں سلام کے جواب کے لئے تیمم کرنا جائز ہے

3- جمہور :- ہر حالت میں ذکر اللہ جائز ہے۔

★ دلیل اہل مقالہ الاولی [الحسن البصری ...] ★

حدیث: 576 :- عن مہاجر بن قنفذ رضی اللہ عنہ ---- لم یرد علیہ
--- قال صلی اللہ علیہ وسلم: انہ لم یمنعنی ان ارد علیک الا انی
کرہت ان اذکر اللہ عز وجل الا علی طہارۃ]

★ دلیل اہل مقالۃ الثانی: بعض محدثین بعض ظاہریہ ★

(1) حدیث : 580 : حدثنا نافع قال: ---- فقضی حاجتہ ---
---- قال: ثم رد علیہ السلام وقال [اما انہ لم یمنعنی
ان ارد علیک السلام الا أنّی کنت لست بطاہر]

★ پوری حدیث کے لئے کتاب میں رجوع فرمائیں: P:137 (بشری) ★

خلاصہ: اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ محدث کے لئے ذکر اللہ جائز نہیں ہے لیکن سلام کے جواب کے لئے تیمم کی اجازت ہے۔

(2) عقلی دلیل :- یہ مسلم قاعدہ ہے کہ جو عبادات فوت ہو جاتی جنکی کوئی قضاء وخلف نہیں ہوتا اس کے لئے تیمم کرنے کی اجازت ہے تو اس طرح کوئی سلام کرتا ہے اور سامع والا شخص حدث کی حالت میں ہے اور سلام کرنے والا شخص کہیں جا رہا ہو تو اس کو اجازت ہے کہ تیمم کرکر جواب دے دے۔ اس لئے کہ سلام کا جواب دینا ضروری ہے اور تاخیر کر لیا تو جواب نہیں دے پائے گا۔

P:22

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[باب: 17: P:137]

★ جمہور کی دلیل ★

1) حدیث: 602: حدثنا ابو ظبیہ قال: ـــــ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ما من امرئ مسلم یبیت طاھرًا علی ذکر اللہ فیتعار (بے دار ہونا) من اللیل، یسأل اللہ تعالی شیئا من امر الدنیا الآخرہ الا اعطاہ: [اس سے معلوم چلتا ہے کہ جب کوئی اُٹھیگا دعا کرنے کے لئے تو ذکر اللہ تو کر لیگا]

2) صحابہ رضی اللہ عنہم کا معمول اور فتوی: علی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے قرآن کی تلاوت کرنا بغیر وضوء کے، جب بعض صحابہ نے ان کو اس حالت میں تلاوت کرتے دیکھا تو ناپسند کیا تو علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حدیث: 600: یعلمنا القرآن علی کل حال الا الجنابۃ، 599: یقرأ القرآن علی کل حال الا الجنابۃ۔

3) عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایۃ: 604: کان رسول اللہ یذکر اللہ علی کل احیانہ۔

4) ذکر اللہ کے عدم جواز کا حکم قرآن کے اس فرمان سے منسوخ ہو گیا۔ [یٰأیھا الذین أمنوا اذا قمتم الی الصلاۃ] اس سے پہلے جب صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جواب نہیں دیتے تھے، یہاں تک کہ طہارت کی حالت میں ہوتے، لیکن اس آیت کے نزول کے بعد طہارت کا حکم صرف اس پر واجب ہے جو نماز کا ارادہ کرتا ہے۔

5) اگر ہم تسلیم کر لیں کہ فصل اول کی احادیث صراحۃ وضو کو لازم کرتا ہے محدث پر جو ذکر اللہ کا ارادہ کرتا ہے، پھر بعد میں انہیں صحابہ سے نسخ بھی منقول ہے جو کہ ذکر اللہ بلا طہارت کے عدم جواز کو منقول کرتے ہیں، مثلا

1) ابن عمر رضی اللہ عنہما 2) ابن عباس رضی اللہ عنہما

تو ان صحابہ کا اپنی بیان کردہ حدیث کے خلاف عمل کرنا ہی دلالت کرتا ہے کہ پہلے والی پہلے جو کہ ذکر اللہ کو طہارت کے بغیر جواز نہیں دیتا دلالت کرتی ہے کہ پہلے والی حدیث منسوخ ہے۔

★★★

P: 23

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

18 ★ باب حکم بول الغلام والجاریۃ قبل ان یأکلا الطعام ★ P: 145

★ مسئلہ :- مدۃ الرضاعۃ میں بچہ اور بچی کا پیشاب کا کیا حکم ہے ، جب تک کہ کھانا شروع نہ کرے ۔

★ مذاھب ★

1) شوافع وحنابلہ : دونوں کا پیشاب نجس ہے مگر پاک کرنے میں طریقہ الگ الگ ہے ۔ بول جاریہ کو اچھی طرح دھونا لازم ہے ۔ اور بول الغلام میں پانی چھڑک دینا کافی ہوگا

2) احناف و مالکیہ : دونوں کا پیشاب نجس ہے اور ازالہ النجس ضروری ہے ۔ بول الغلام میں ہلکے طریقے سے دھونا کافی ہوگا ۔

★ دلیل مذھب الاول ★

حدیث # 628 : عن علی رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال فی الرضیع : (یغسل بول الجاریۃ وینضح بول الغلام)

جس طرح اوپر والی حدیث میں قول سے ثابت ہے اس طرح فعلی حدیث سے بھی ثابت ہے ۔ (حدیث : 630)

★ رد علی فریق المخالف [شوافع ، حنابلہ] ★

یہ بھی احتمال ہے کہ لفظ [ینضح] سے مراد " صَبُّ الماءِ علیہ " یعنی پانی اوپر ڈال دینا کے معنی میں ہو نہ کہ پانی چھڑکنے کے معنی میں جو کہ اسکا لغوی معنی ہے ۔ اور کلام عرب میں بھی نضح صب الماء کے لیے استعمال ہوتا ہے ۔ اور نضح بمعنی صب الماء ہونے کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے بھی معلوم چلتا ہے ۔

حدیث : 318 :- انی اعرف مدینۃ ینضح البحر بجانبہا

ترجمہ :- میں ایک شہر کو جانتا ہوں کہ سمندر اسکے کنارہ پر پانی پھینکتا ہے ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[باب: 78 : 145]

تو ینضح بمعنی صب الماء سے معلوم چلتا ہے کہ پیشاب ناپاک ہی ہے
چاہے غلام کا ہو یا جاریہ کا لیکن ان دونوں کی طہارت حاصل کرنے کا
طریقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے الگ بیان فرمایا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ
بول الجاریہ کا مخرج وسیع ہوتا ہے تو زیادہ پھیلتا ہے اس وجہ سے
زیادہ اہتمام سے دھویا جاتا ہے۔ اور بول الغلام کا مخرج تنگ ہوتا
ہے اور پیشاب ایک دائرے سے نکلتا ہے۔ اس وجہ سے صرف پانی انڈھیل
نے سے پاک ہوجاتا ہے اور اسی وجہ سے حدیث میں آیا [بول الغلام
ینضح] اس لئے کہ صرف پانی کو بہانے سے اس دائرے پر پاکی
حاصل ہوجاتی ہے نہ کہ کپڑے کو دھویا جائے۔

اور ایک وجہ ینضح استعمال کرنے کی یہ ہے۔ کہ بول الغلام میں
بدبو نہیں ہوتی اور زیادہ غلیظ نہیں ہوتا اس لحاظ سے آسانی
سے نکل جاتا ہے۔ اور بول الجاریہ کے لئے یغسل استعمال کیا
اسکی رطوبت کی وجہ سے اور غلیظ اور بدبودار ہوتا ہے۔

★ دلیل المذھب الثانی ★

1) متقدمین اور تابعین سے منقول ہے کہ بول الغلام کو دھویا جائے گا
حدیث: 634:- عن الحسن انه قال: بول الجاریة یغسل غسلا
و بول الغلام یتتبع بالماء.
اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں کا پیشاب نجس ہے صرف طریق التطہیر الگ ہے

2) عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بچوں کو
لایا جاتا تھا دعا کے لئے اور ایک مرتبہ پیشاب کردیا تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم
نے دھونے کا حکم فرمایا۔ روایت میں آتا ہے حدیث: 637: فاتبعه الماء
اور اتباع الماء کا مطلب غسل ہے اسکی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی کے کپڑے
پر نجاست لگ جائے اور اس پر پانی ڈالتے رہے تو وہ پاک ہوجاتا ہے
اسی طرح اتباع الماء میں بھی پانی ڈالتے رہنا ہے تو وہ پاک
ہوجائے گا

ج) عقلی دلیل :- جب اتفاق ہے کہ مدت الرضاعت کے بعد غلام اور جاریہ کا حکم انکے کپڑوں کے پاک کرنے میں ایک ہی ہے جو کہ غسل (دھونا ہے) تو اس سے پہلے بھی حکم ایک ہونا چاہیے۔

★★★

بسم اللہ الرحمن الرحیم

19 ★ باب الرجل لا يجد الا نبيذ التمر: هل يتوضأ به او يتيمم؟ ★

★ ★ ★

★ نبیذ التمر کے تین اقسام ★

1) مسکر، مطبوخ، غلیظ ہو تو بالاتفاق وضو جائز نہیں
2) غیر "، غیر "، غیر " غیر حلو (میٹھا) اور " " جائز ہے۔ اور میٹھا نہ ہو،
3) " "، " "، " " ، " " اور میٹھا ہو اس میں اختلاف ہے،
اب اگر 3 قسم ہونے کی حالت میں دوسرا پانی موجود ہو تو وضو اس 3 والی قسم سے جائز نہیں ہے،
ہاں اگر صرف یہ 3 قسم کا نبیذ التمر ہو اور کوئی پانی نہ ہو تو اختلاف ہے،
جمہور: تیمم کیا جائے گا
امام صاحب کا مرجوح قول:- اس نبیذ التمر سے وضو کرے
" " " راجح " :- تیمم کرے،
امام محمد رحمہ اللہ :- جمع بین التیمم والوضوء

★ امام صاحب کے مرجوح قول کی دلیل ★

حدیث: 644 :- عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ لیلۃ الجن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، اور وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبیذ التمر سے وضو فرمایا،
یہ اس طرح کی بات (2) دوسروں سے منقول ہے،

★ ردّ علی اهل مقالة الاولی ★ جو کہ امام صاحب کا مرجوح قول ہے

1) یہ حدیث ضعیف ہے یہ حدیث حجۃ نہیں ہے ان لوگوں کے خلاف جو خبر واحد کو قبول کرتے ہیں تو کیسے حجت ہوگی ان لوگوں کی خلاف جو صرف تواتر کو مانتے ہیں
2) دوسری احادیث موجود ہے جو بتاتی ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود نہیں تھے لیلۃ الجن میں۔

حدیث: 645 :- عن عمرو بن مرة قال: قلت لابی عبيدة: اكان عبد الله بن مسعود مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ليلة الجن؟ فقال: لا

★ ★ ★

اس حدیث میں ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کے والد عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود نہیں تھے اور یہ ایسا معاملہ ہے جو ان سے مخفی نہیں رہا۔

★ اشکال مقدر ★

یہ حدیث اس وجہ سے صحیح نہیں ہو سکتی کیونکہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کبھی سماع حدیث کیا ہی نہیں اس لئے کہ وہ بچے تھے اس حالت میں ان کے والد کا انتقال ہو چکا تھا تو یہ حدیث منقطع ہے۔

★ جواب اشکال المقدر ★

اگر حدیث کی سند پر کلام نہیں ہو رہا ہے اگر ہم تسلیم کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے والد سے سماع نہیں کیا لیکن ابو عبیدہ مقدم فی العلم ہے ان کا ملنا ان کے والد کے خاص لوگوں سے بھی ہوتا تھا، تو وہ اپنے والد کے احوال معلوم کرتے رہتے تھے۔

اور یہ بات بھی ہے کہ متصل سند سے بھی منقول ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لیلۃ الجن میں موجود نہیں تھے۔

رجوع حدیث: 647، 648 (P:249 ; P)

★ جمہور کی دلیل ★

1) عقلی دلیل: علماء کا اتفاق ہے کہ خل اور نبیذ الزبیب سے وضو جائز نہیں تو اس لحاظ سے اس پر بھی جائز نہیں ہوگا وضو کرنا اس سے۔

2) علماء کا اتفاق ہے کہ مطلق پانی موجود ہو اور نبیذ التمر بھی ہو تو نبیذ التمر سے وضو جائز نہیں۔ تو پانی نہ ہونے کی حالت میں بھی وضو نہیں جائز ہوگا۔

★ اور ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی حدود میں تھے سفر کی حالت میں نہیں تھے، مقیم تھے مکہ میں پانی موجود رہتا تو بظاہر یہ معلوم چلتا ہے کہ نبیذ التمر سے وضو جائز ہے اگرچہ پانی موجود ہو، جس پر کسی عالم نے اتفاق نہیں کیا ہے، تو اس سے معلوم چلتا ہے کہ یا تو یہ حدیث متروک ہے، مراد
یا وہ نبیذ التمر ہے جس میں کوئی میٹھا پن نہیں ہو۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ: کسی بھی نبیذ التمر سے وضو جائز نہیں ہے۔

★★★

P:26 * بسم اللہ الرحمن الرحیم *

★ 20- باب المسح علی النعلین - P. 157 ★

مسالک: المذہب الاول [ابن حزم الظاہری] : یجوز المسح علی النعلین

المذہب الثانی [جمہور] : لا یجوز المسح علی النعلین

★ دلیل المذہب الاول ★

1) حدیث: 651: عن اوس بن ابی اوس رضی اللہ عنہ قال ـــ قال: رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمسح علی النعلین]

2) حدیث: 653: عن ابی ظبیان: انہ رأی علیا رضی اللہ عنہ ـــ ومسح علی نعلیہ ثم ـــ [9]

تو اس حدیث سے علی رضی اللہ عنہ کا مسح علی النعلین کرنا ثابت ہوتا ہے۔

3) حدیث: 657: عن نافع ان ابن عمر رضی اللہ عنہما کان اذا توضأ ونعلاہ فی قدمیہ مسح علی ظہور قدمیہ بیدیہ ویقول: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصنع ہکذا]

تو گویا مسح علی النعلین ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی ثابت ہے۔

★ رد علی المذہب الاول ★

1) حدیث: 654: عن ابی موسی رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسح علی جوربین ونعلین]۔ اس حدیث سے معلوم چلتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اصل میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جوربین پر مسح کیا اس پر مسح کا ارادہ ہوتا، اور نعلین پر جو مسح کی بات ہے وہ تو اصل نعلین کے تسمہ پر تابع ہونے کی حیثیت سے تھا نہ کہ فرض کے طور پر۔ اور یہی تاویل ابو موسی اور مغیرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

2) فریق مخالف نے علی رضی اللہ عنہ کا عمل دلیل کے طور پر پیش کیا مسح علی النعلین ثابت کرنے کے لئے۔ اس حدیث سے معلوم چلتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے تین عمل ایسے کئے جو خلاف اصول معلوم ہوتے ہیں۔ 1) کھڑے ہو کر پیشاب 2) نعلین پر مسح 3) مسح شدہ نعلین کو نماز کے لئے اتارنا۔

کھڑے ہو کر پیشاب کرنا تو بیماری کی وجہ سے تھا۔ یا بیٹھنے کی جگہ پر نجاست تھی
نعلین پر مسح کرنا تو اصل جوربین پر مسح کیا تھا اور نعلین کے تسمے اس
جوربین پر ہونے کی وجہ سے تابع تھے۔ اور نعلین کو اتارنا مسح کرنے کے بعد
اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے جوربین پر مسح کیا تھا اس وجہ سے
مسجد میں داخل ہونے کے لیے باہر نعلین اتار دیے تھے۔

3) ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث احتمال رکھتی ہے کہ قدمین پر مسح فرض تھا
اور نعلین پر مسح پیر کے تابع ہونے کی حیثیت سے صحیح تھا۔ جو کہ اسلام کے شروع
دور میں جائز تھا بعد میں حکم منسوخ ہو گیا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
مکہ اور مدینہ کے درمیان سفر کر رہے تھے تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا
[ویل للاعقاب من النار] حدیث [P:77-211] تو اس سے معلوم چلا
کہ مسح علی النعلین اور قدمین صحیح نہیں ہے۔

اور اوس بن ابی اوس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں 2 احتمال رکھتی ہے۔
1) اصل میں تو جوربین پر مسح کیا تھا نعلین کو تسمے کے لحاظ سے تابع تھے
2) قدمین پر مسح کیا ہو اور نعلین تابع ہو تو قدمین پر مسح بھی
منسوخ ہو گیا ہے تو اب یہ حدیث قابل استدلال نہیں رہی۔

★ عقلی دلیل ★

خفین پر مسح کرنے کے لیے یا تو ضروری ہے کہ پورا خف یا اکثر خف پر پھٹن
نہیں ہو، جب اکثر خف پر پھٹن ہو تو بالاجماع مسح جائز نہیں ہے
اس کی وجہ یہ ہے کہ مسح علی الخفین کے لیے شرط ہے کہ اکثر موضع القدم
چھپا ہوا ہو تو جب دونوں قدمین ظاہر ہو تو مسح علی النعلین
کس طرح صحیح ہوگا۔

★★★

P:28 بسم اللہ الرحمن الرحیم

★ 21- باب المستحاضة كيف تتطهر للصلاة - P:153 ★

مسئلہ: ایام حیض میں عورت بالاتفاق نماز نہیں پڑھیگی

مسئلہ: استحاضہ کی حالت میں وہ کس طرح پاکی حاصل کرکر نماز پڑھیگی
اس میں اختلاف ہے۔

★مسالک★

مذہب 1: ظاہریہ، سعید بن مسیب، عکرمہ رح: ہر نماز کے لئے غسل واجب ہے۔

2: ابراہیم نخعی رح، عطا بن رباح رح: جمع بین الصلاتین بغسل واحد جائز ہے۔

3: جمہور: حیض ختم ہونے کے بعد غسل کرنا لازم ہے اس کے بعد مستحاضہ عورت ہر نماز کے لئے جب بھی خون دیکھے وضو کرنا لازم ہوتا ہے۔

★مذہب اول کی دلیل★

1) حدیث مرفوع: 658: ان ام حبیبہ ---- فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ---- فلیغتسل عند كل صلاة وتصلي))
فریق مخالف اس دلیل سے ثابت کرتے ہیں کہ مستحاضہ کو ایام الحیض کے بعد استحاضہ کے وقت میں ہر وقتی نماز کے لئے وضو کریگی۔

2) آثار سے 662: عن عائشة رضی اللہ عنہا ---- ام حبیبہ رضی اللہ عنہا أن تغتسل عند كل صلاة
تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا تو ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اس سے مراد غسل لكل صلاة لیا تھا۔

3) علی رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتوی غسل لكل صلاة پر ہے۔

★ دلیل المذهب الثاني ★

حدیث: 668: عن زينب بنت جحش رضي الله عنها قالت سألت ---- فقال: تؤخر الظهر وتعجل العصر ---- وتغتسل للفجر
اس حدیث کو دلیل کے طور پر پیش کیا ہے

اور جو روایۃ علی رضی اللہ عنہ کی ہے غسل بعد انقطاع الحیض جس پر ہم عمل کرتے ہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً مروی ہے

(3) فصل ثانی کی احادیث میں صراحت نہیں ہے کہ کس طرح کی مستحاضہ ہے تو استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

رد علی مذہب الثانی من جانب المذہب الثالث *

★★★

P: 30

بسم اللہ الرحمن الرحیم

★باب حکم بول ما یوکل لحمہ★ 22 P: 163

★

مسئلہ 1: مؤکول اللحم جانوروں کا پیشاب طاھر ہے یا نجس؟

مسئلہ 2: تداوی بالحرام جائز ہے یا نہیں؟

★مسالک★

مذھب 1:- امام محمد رحمہ اللہ، مالکیہ، حنابلہ: طاھر و حلال مطلقا چاہے تداوی ہو یا غیر تداوی

2:- امام صاحب، شوافع: نجس اور صرف ضرورت کے وقت حلال ہے جب اس کو یقین ہو کر اس میں شفاء ہے۔

3:- امام ابو یوسف: نجس ہے لیکن تداوی کے لئے حلال ہے اگرچہ کوئی اور ذریعہ بھی ہو۔

★دلیل المذھب الاول★

قبیلہ عرینہ سے کچھ لوگ مدینہ منورہ آئے تھے اور ان کو مدینہ کی آب و ہوا موافق نہیں آئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا اونٹوں کے دودھ اور بول پینے کا علاج کے طور پر

اور علاج صرف حلال چیزوں سے ہوتا ہے جیسے کہ حدیث 690 سے معلوم چلتا ہے۔

ہماری طرف سے جواب: 690: عن طارق بن سوید الحضرمی رضی اللہ عنہ قال: قلت یا رسول اللہ ان بارضنا اعنابا نعتصرها افنشرب منها؟ قال: لا ...

تو اس حدیث سے معلوم چلتا ہے کہ حرام چیز کو دوا کے طور پر بھی استعمال نہیں کر سکتے۔ (مکمل حدیث کے لئے کتاب میں رجوع کریں)

★ تو مذھب اول والے حضرات نے قبیلہ عرینہ کے لوگوں والی حدیث سے استدلال کیا کہ بول پاک ہے چاہے تداوی کے لئے ہو یا کسی اور وجہ

★ اور ان کے یہاں جو بھی گوشت کا حکم ہے وہی بول کا حکم ہوگا اور ابل کا گوشت بالاتفاق حلال ہے تو اسکا بول بھی حلال ہوگی۔

★ دلیل المذھب الثانی ★

عقلی دلیل ★ بول الابل کا حکم اس کے خون کے حکم کے مانند ہوگا اور اتفاق ہے کہ خون نجس ہے تو اسکا بول بھی نجس ہے اور صرف ضرورت کے وقت حلال ہوتا ہے نہ کہ مطلقا

★ حدیث عرنیین میں کوئی دلیل نہیں ہے کہ مطلقا حلال ہے اور دوسری احادیث بھی وارد ہے جو دلالت کرتی ہے کہ حرام چیزیں صرف ضرورت کے وقت حلال ہوتی ہے مثلا حریر (ریشم) کا پہننا ایک صحابی کا سر میں قمل (جوں) کی وجہ سے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت کی بنیاد پر اجازت دی تھی۔ حدیث: 696

P:31

مسئلہ ثالثہ :- تراوی بالحرام جائز ہے یا نہیں ہے

اصل میں جو فقہاء کا اختلاف ہے وہ در اصل صحابہ رضی اللہ عنہم کے اختلاف کی وجہ سے ہے،

امام طحاوی رحمہ اللہ نے 4 تابعین کے اقوال ذکر فرمائے ہیں،

محمد بن حسن :- تراوی کے لئے درست

طاھر و نجس کے بارے میں کوئی حکم نہیں

عطاء :- طاھر، حلال مطلقا، گویا کہ وہ امام محمد رحمہ اللہ کے ساتھ ہے،

★★★

P:166 ★23: باب صفة التيمم كيف هي★

★ مسئلہ :- تیمم میں ہاتھ کو کہاں تک ملنا ہے

★مذاهب★

المذهب الاول : ابن شهاب الزهري : الى المناكب والآباط
اوپر کے حصہ میں کندھوں تک اور نیچے بغل تک

المذهب الثاني : امام احمد رحمه الله : الى الرسغين : پہنچوں تک : Wrist

المذهب الثالث : ائمہ ثلاثہ : الى المرفقين : کہنیوں تک : Elbow

★دليل المذهب الاول★

حدیث : 706 : عن عمار رضی الله عنه قال : تيممنا مع النبي صلى الله عليه وسلم الى المناكب

★اعتراض على مذهب الاول★

(1) عمار رضی اللہ عنہ نے اپنی حدیث میں یہ ذکر نہیں کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح تیمم کرنے کا حکم دیا ہے۔ بلکہ انہوں نے اپنے اور دوسرے صحابہ کے فعل بارے میں حدیث بیان کی ہے۔ تو ادھر یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ تیمم کی جو آیۃ نازل ہوئی تھی اس وقت پوری آیۃ نازل نہیں ہوئی تھی، صرف [فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا] نازل ہوئی ہو، اور اس آیۃ میں ابھی تک تیمم کے طریقہ کی وضاحت نہیں تھی۔ تو اس وجہ سے شروع میں کسی بھی طریقہ سے تیمم کر سکتے تھے اور بعد میں اسکا طریقہ نازل ہوا ہوگا، [فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ]

★ آیۃ تیمم کا پہلا حصہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہار کھو جانے کے موقع پر نازل ہوا، اور عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہے کہ بعض لوگ کف تک تیمم کرتے تھے بعض مناکب تک، اور بعض جسم پر تیمم کرتے تھے۔ پھر جب یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو باقی آیۃ نازل ہوئی۔ [فامسحوا بوجوهكم وايديكم منه] گویا کہ پہلے تیمم کی آیۃ بغیر تفصیل کے نازل ہوئی بعد میں تفصیل کے ساتھ نازل ہوئی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

2) عمار رضی اللہ عنہ سے جو روایت فصل اول میں مذکور ہے الی المناکب کا،
تو عمار رضی اللہ عنہ سے اس روایت کے خلاف بھی منقول ہے حدیث : 721 :
ان عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن التیمم فأمره بالوجه
والکفین ، تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فصل اول کی روایت منسوخ ہو گئی۔
3) عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے
اس لئے کہ اس حدیث میں بہت اضطراب ہے ، اور ایک وجہ یہ بھی
ہے کہ فصل ثانی کے حضرات کا اتفاق ہے کہ تیمم منکبین تک لازم نہیں ہے۔

* پہلے قول کو ابطال کرنے کے بعد دوسرے دو قول [المذهب الثانی والثالث]
ہے ۔ تو اب ان دونوں میں سے کسی ایک قول کو ترجیح دینے کی ضرورت ہوگی
تو ہم دوسری احادیث کو دیکھتے ہیں۔
1) ابن جهیم رضی اللہ عنہ کی روایت کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم [أنه يمم وجهه وكفيه]
2) نافع رحمہ اللہ کی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کے طریق سے [انه تيمم الى مرفقيه]
پہلی حدیث مذہب ثانی کی دلیل ہوئی اور
دوسری حدیث مذہب ثالث کی دلیل ہوئی۔

* نظر طحاوی [ابطال القول بأن التيمم يجب ان يكون الى الآباط] *
عقلی دلیل: ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ [يا أيها الذين آمنوا اذا قمتم...] المائدہ: 6
کہ وضو چند اعضاء کو شامل کرتا ہے ، اور تیمم میں بعض اعضاء کا
حکم ساقط ہو جاتا ہے ، جیسے کہ سر اور پیر کا حکم ، تو تیمم صرف بعض اعضاء
کو شامل کرتا ہے جن پر وضو بھی کیا جاتا ہے ۔ تو ہم تیمم کا وضو پر قیاس
کرتے ہوئے یہ بیان کرتے ہیں کہ وضوء میں مناکب وضو کا حصہ نہیں ہے
تو وہ تیمم کا بھی حصہ نہیں ہو سکیں ۔ اور وضو میں ہاتھ کا دھونا کہنیوں تک
لازم ہے تو اس کے مطابق تیمم میں بھی مسح کرنا کہنیوں تک ہی لازم ہوگا

* صحابہ میں سے ابن عمر و جابر رضی اللہ عنہم سے مرفقین تک تیمم کرنا ثابت ہے
* حضرات تابعین میں سے حسن البصری رحمہ اللہ کا فتوی بھی مرفقین تک
تیمم کرنے تک کا معلوم ہوتا ہے۔

* * *

24 ★باب غسل یوم الجمعه★ P:171

★ مسئلہ: غسل کرنا جمعہ کے دن واجب ہے یا سنۃ

★مذاھب★

ظاھریۃ: غسل فرض ہے [روایۃ ابن عباس، ابن عمر، عائشہ، عمر، حفصہ رضی اللہ عنھم]

جمھور: غسل سنۃ ہے۔

★دلیل الظاھریہ★

حدیث: 727: عن طاوس قال: قلت لابن عباس رضی اللہ عنھما ذکروا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال [اغتسلوا یوم الجمعہ واغسلوا رؤوسکم وان لم تکونوا جنبا واصیبوا من الطیب] فقال ابن عباس رضی اللہ عنھما اما الغسل فنعم واما الطیب فلا اعلم۔

★اعتراض علی الظاھریہ★

1) رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کو جو لازم کیا تھا وہ دوری وقتیات کی بناء پر تھا۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ حضرات صحابہ اسلام کے شروع دور میں محنت اور مشقت کر کے مزدوری کے کام کرتے تھے جس کی وجہ سے جسم و کپڑے پسینہ والے ہو جاتے تھے۔ اور جمعہ کے دن اسی کپڑے میں بغیر غسل کئے ہوئے جمعہ کی نماز پڑھنے آتے تھے۔ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی چھت زیادہ نیچی تھی تو ہوا کا گزر نہ ہونے کی وجہ سے بو مسجد میں پھیل جاتی تھی جو لوگوں کو تکلیف پہنچاتی تھی تو علت ایذا کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل واجب قرار دیا تھا۔

2) ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ دے رہے تھے اور اسی دوران عثمان رضی اللہ عنہ جمعہ کے لئے تشریف لائے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگ جمعہ کی نماز میں آنے میں تاخیر کرتے ہیں۔ تو عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں بازار میں تھا۔ اور جب میں نے جمعہ کی اذان سنی تو میں بازار سے فوراً روانہ ہو گیا۔ اور وضوء کے علاوہ کچھ اور کام میں نے نہیں کیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اس کہنے پر ان کو کوئی نکیر نہیں کی، اور عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی جا کر غسل نہیں کیا اور عمر رضی اللہ عنہ نے حکم بھی غسل کا نہیں دیا تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ غسل جمعہ کے دن نماز کے لئے واجب نہیں ہے۔

3) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی روایات منقول ہے جو دلالت کرتی ہے کہ غسل کرنا جمعہ کے لئے بہتر ہے نہ کہ فرض و واجب۔ [حدیث: 759: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من توضأ یوم الجمعہ فبھا ونعمت ومن اغتسل فالغسل احسن]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[باب: P: 172-24]

★ اشکال علینا ★

حضرت علی، سعد بن ابی وقاص، قتادہ، ابو ھریرہ رضی اللہ عنھم سے ایسی اقوال منقول ہے جو وجوب الغسل پر دلالت کرتے ہیں۔

1) حدیث: 766: عن زاذان قال سألتُ علیا رضی اللہ عنہ عن الغسل فقال: اغتسل اذا شئتَ فقلتُ: انما اسئلکَ عن الغسل الذی ھو الغسل، قال: یوم الجمعہ ویوم عرفہ ویوم الفطر ویوم الاضحی

★ جواب ★

اس روایت میں بہت ابہام ہے اس لئے کہ علی رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں مراد فضیلت بیان کرنا مقصود ہو۔ اور بالاتفاق یوم عرفہ، یوم الفطر اور یوم الاضحی میں غسل واجب نہیں ہے تو جمعہ کے دن کیوں واجب ہوگا جبکہ ان دنوں کے ساتھ متصل ہے جس میں غسل ضروری نہیں ہے۔

2) حدیث: 765: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا قول: ما کنت أُرَی مُسْلِمًا (چھوڑ دے) یدعُ الغسل یوم الجمعہ

★ جواب: ان کا مقصد تھا کہ غسل کرنے میں بہت بڑی فضیلت ہے۔ تو کہ کم خرچہ میں حاصل کرنا ہر مسلمان کے لئے ممکن ہے۔ تو کیسے ممکن ہے کہ وہ اتنے آسان کام کو بڑی عظیم فضیلت کے لئے چھوڑ دے۔ اور حدیث میں لفظ (أُرَی) مجہول استعمال کیا جسکا مطلب یقین نہیں بلکہ ظن ہے۔

(ثابت بن ابی قتادہ کا سوال تھا)

3) حدیث: 768: حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول: ان ابا قتادہ رضی اللہ عنہ قال لہ اغْتَسِلْ للجمعہ فقال اغتسلت من جنابۃٍ قال: اغْتَسِلْ للجمعہ فإنک اغْتَسَلْتَ للجنابۃ۔

جواب: ان کے قول سے بھی وجوب مقصد نہیں ہے بلکہ فضیلت بیان کرنا مقصود ہے۔

4) حدیث: 767: حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ کا قول: حقًّا للہ واجبٌ علی کل مسلم فی کل سبعۃ ایام یغتسل ویغسلُ منہ کل شیءٍ ویمس طیبًا ان کان لاھلہ۔ (اگر گھر میں موجود ہو)

جواب: جب خوشبو لگانا فرض نہیں ہے تو غسل کا حکم بھی وہی ہوناچاہیے جو خوشبو کا ہے اور یہاں بھی مقصود وجوب نہیں بلکہ فضیلت بیان کرنا ہے۔

★ آخر کلام ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ کچھ حضرات صحابہ ہے جن سے پہلے غسل کے وجوب کی روایات منقول تھی بعد میں ان ہی سے فضیلت وسنۃ کے بارے میں روایات نقل کی گئی ہے تو گویا کہ وجوب والا حکم منسوخ ہوگیا اور سنۃ والا باقی ہے جیسے کہ: حضرت عمر، عائشہ، ابن عباس رضی اللہ عنھم ★★★

★★★

★25: باب الاستجمار★ P:178

★مسئلہ: استنجاء کے وقت تین پتھر استعمال کرنے کا حکم

★مذاہب★

مذہب اول: شوافع، حنابلہ:- تین پتھر استعمال کرنا واجب

مذہب ثانی: احناف، مالکیہ:- " " " سنہ [مقصد إزالة النجس]

★دلیل مذہب اول★

حدیث: 771:- عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من استجمر فلیوتر...

★اعتراض علی المذہب الاول★

آپ کی پیش کردہ حدیث میں احتمال ہے کہ طاق مرتبہ پتھر کا استعمال کرنا مستحب ہونے کے اعتبار سے ہو، جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان جس کو بھی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ حدیث: 785: من استجمر فالیوتر من فعل فقد احسن ومن لا فلا حرج]۔

★دلیل المذہب الثانی★

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا واقعہ جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجۃ کے لئے تشریف لے گئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [إئتني بثلاثة احجار حدیث: 786] تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں پتھر تلاش کئے تو صرف (2، دو) پتھر پائے اور ایک گوبر کا ٹکڑا تو وہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (دو) 2 پتھر لئے اور گوبر کا ٹکڑا پھینک دیا۔ اور فرمایا کہ [انها رکس (گندگی ہے)] تو اس واقعہ سے معلوم چلتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف 2 دو پتھر پر (اکتفاء) کی اور یہ احتمال بھی نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسرا پتھر تلاش کر لیا، کیوں کہ اس جگہ میں کوئی پتھر تھے ہی نہیں اس وجہ سے پتھر تلاش کرنے کا حکم دیا تھا، تو اس سے بھی معلوم چلتا ہے کہ تین پتھر استعمال کرنا (لازمی و وجوب کے درجہ میں نہیں ہے۔

★عقلی دلیل★

استنجاء پتھر کے ذریعہ سے اسکا حکم وہی ہونا چاہئے جو استنجاء بالماء کا ہے۔ اور استنجاء بالماء کا مقصد ازالة النجاسة ہے تو استنجاء پتھر کے ذریعہ بھی وہی مقصد ہوگا، تو استنجاء بالماء میں تین مرتبہ پانی سے دھونا واجب نہیں ہے تو یہاں بھی تین پتھر سے استنجاء کرنا واجب نہیں ہوگا۔ ایک دو پتھر سے ازالة النجاسة ہو گیا تو مقصد حاصل ہو گیا تو تین کا حکم تو صرف مستحب کے طور پر تھا۔

★★★

P:36

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

P: 182 ★ باب الاستجمار بالعظام ★26

★ مسئلہ :- عظام (ہڈی) اور روث (گوبر) سے استنجاء کا حکم

★ 4 چار چیزیں جس سے استنجاء کرنا ممنوع ہے۔
1) محترم چیز 2) نجس چیز 3) مضرہ چیز 4) غذاء۔

★ بالاتفاق اگر کوئی نجس چیز سے استنجاء کرتا ہے تو استنجاء شمار نہیں ہوگا اور پاکی حاصل نہیں ہوگی، لیکن اگر کوئی باقی ممنوع چیزوں سے استنجاء کرتا ہے تو کیا طہارت حاصل ہوجائے گی یا نہیں ہوگی؟

★ مسالک ★

احناف :- استنجاء ہوجائے گا
شوافع، حنابلہ :- استنجاء نہیں ہوگا دوبارہ قابل استعمال چیز سے استنجاء کرنا ہوگا
مالکیہ :- فی روایۃ استنجاء ہوجائے گا، وفی روایۃ استنجاء نہیں ہوگا۔

★ دلیل الحنابلہ والشوافع ★

حدیث : 788 : عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ : ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی ان یَسْتَطِیبَ احدٌ بِعَظْمٍ اَوْ بَرَوْثَۃٍ

★ اعتراض علی الحنابلہ ★ والشوافع ★

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہڈی سے استنجاء کرنے کے بارے میں منع کا حکم دیا ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ وہ ہڈی جنات کی غذا ہوتی ہے، نہ کہ اس وجہ سے منع نہیں کیا کہ اس کی پاکی حاصل نہیں ہوتی۔

★ امام طحاوی رحمہ اللہ نے اشارۃً روث (گوبر) سے استنجاء کرنا منع فرمایا غذا ہونے کی علت کی وجہ سے جب کہ اکثر علماء روث سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا ہے نجس ہونے کی وجہ سے۔

★★★

P:186

★27 : باب الجنب یرید النوم او الأکل او الشرب او الجماع★

اس باب کے تحت جنبی شخص کے چار چیزیں کرنے کے بارے میں بحث کی گئی ہے
1) نوم 2) اکل 3) شرب 4) جماع

مسئلہ :- 1) حالت الجنابت میں وضو کرکے سونے کا حکم
2) " " " " کھانے "
3) " " " " جماع "

★ مسالک ★

فصل (1): امام ابو یوسف رح :- وضوء کرنا مباح ہے

" (2): ظاہریہ :- " " واجب ہے

" (3): جمہور :- " " مستحب ہے

★ دلیل امام ابو یوسف ★

حدیث : :- عن ابی اسحاق عن الاسود عن عائشہ رضی اللہ عنہا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم : انہ کان ینام وھو جنب ولا یمس الماء

★ اعتراض علی مذھب امام ابو یوسف و اثبات مذھب الجمھور ★

1) فصل اول کی تمام احادیث عن ابی اسحاق عن الاسود عن عائشہ رضی اللہ عنہا کے طریق سے ہیں

2) ابو اسحاق نے اس حدیث میں اختصار کیا ہے حدیث طویل ہے، طویل حدیث دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ [لا یمس الماء] میں یہ احتمال ہے کہ اتنا پانی استعمال نہیں کرتے جو غسل کے لئے کافی ہوتا لیکن وضوء جتنا پانی استعمال کرتے تھے۔

3) دوسری بہت متابعات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے وضوء کرتے تھے

4) ابن عمر، عمار بن یاسر و ابو سعید رضی اللہ عنہم سے مرفوع روایات منقول ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جنبی کو سونے سے پہلے وضوء کرنا چاہئے۔

5) زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا فتوی [حدیث : 767 : اذا توضأ الجنب قبل ان ینام فقد بات طاہرا : رات گزاری طاہر ہونے کی حالت میں]

★ مسئلہ - 2 - ★

حالت الجنابت میں وضوء کرکے کھانے پینے کا حکم:

★ دلیل الظاھریہ ★

1) حدیث : 807 : عن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت : کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اراد ان ینام او یأکل وھو جنب یتوضأ

2) عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ : حدیث : 824 : قال رخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للجنب اذا اراد ان ینام او یشرب او یأکل ان یتوضأ وضوءہ للصلاۃ۔

★ اعتراض علی الظاھریہ ★

1) عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کے خلاف بھی منقول ہے حدیث : 829 : عن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت : کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اراد ان یأکل وھو جنب غسل کفیہ۔ اس سے ثابت ہوا کہ وضو لغوی مراد ہے نہ کہ وضو شرعی۔ احادیث میں تعارض واقع ہوا تو احتمال ہے کہ ایک حکم منسوخ ہوگیا۔ اور وضو شرعی کے حکم کے منسوخ ہونے کی دلیل حدیث 608 ہے باب ذکر الجنب والحائض والذی لیس علی وضوء میں گزر چکا۔ حدیث : عن علقمہ بن عفواء عن ابیہ رضی اللہ عنہ قال : کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اھراق الماء انما نکلمہ فلا یکلمنا و نسلم علیہ فلا یرد علینا حتی نزلت [یایھا الذین امنوا اذا قمتم الی الصلاۃ]

P:38

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[باب: 27]

تو اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے جنبی کے لئے دعا کرنا یہاں تک کہ سلام کا جواب دینا بھی ممنوع تھا پھر بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اور وضو صرف باقی رہ گیا جب کہ نماز کا ارادہ کرتا ہے۔ تو اس طرح پہلے جب ذکر اللہ پڑھنا ہو تو وضو واجب تھا مگر وہ حکم بھی منسوخ ہو گیا اور اسی طرح پہلے جب بسم اللہ بول کر کھانا چاہتا تھا تو وضوء واجب تھا بعد میں یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا اور معلوم ہوا کہ جنبی ذکر اللہ کر سکتا ہے۔

2) حدیث: 830: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب جنبی شخص کھانے یا پینے یا سونے کا ارادہ کرے تو اس پر وضو شرعی لازم نہیں ہے۔

★ جمہور کی دلیل ★

حدیث: 622: عن ابن عباس رضی اللہ عنہما: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج من الخلاء فطعم فقیل له الا تتوضأ؟ فقال: انی لا ارید ان اصلی فأتوضأ]

★ مسئلہ: 3 ★

حالت جنابۃ میں دوبارہ جماع کرنے کے لئے وضوء کا کیا حکم ہے

★ دلیل الظاهریه ★ واجب

حدیث: 831: عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [اذا اتی احدکم اهله ثم اراد ان یعود فلیتوضأ]

★ دلیل الجمهور ★

1) حدیث: 834: عن ابی رافع رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا طاف علی نسائه فی یوم فجعل یغتسل عند هذه وعند هذه فقیل یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو جعلته غسلاً واحداً [فقال هذا ازکی و اطیب واطهر]
یہ آخری الفاظ استحباب پر دلالت کرتے ہیں نہ کہ وجوب پر

2) حدیث: 837: عن انس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طاف علی نسائه بغسل واحد۔

★★ ★

★ کتاب الطهارة

تمت بالخیر

بتوفیق اللہ تعالیٰ

★

بسم اللہ الرحمن الرحیم :P:39

★ کتاب الصلاۃ ★

P:291 ★ 1 : باب الاذان کیف ھو ★

★ مسئلہ : 1 :- اذان کے شروع میں تکبیر کتنی مرتبہ کہی گئی۔

★ مسالک ★

امام مالک رحمہ اللہ :- 2 مرتبہ

ائمہ ثلاثہ :- 4 مرتبہ

★ مسئلہ : 2 :- ترجیع [شہادتین کا کیا حکم ہے]

مذھب اول امام مالک / شافعی رحمہما اللہ :- ترجیع ہوگی

مذھب ثانی امام احمد / ابو حنیفہ رحمہما اللہ :- " نہیں ہوگی۔

★ اذان کے کلمات ★

امام مالک رحمہ اللہ :- 17

امام شافعی رحمہ اللہ :- 19

امام ابو حنیفہ واحمد رحمہما اللہ :- 15

★ مسئلہ 1 : دلیل المالکیہ ★

حدیث : 846 :- عن ابی محذورۃ رضی اللہ عنہ قال : عَلَّمَنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الأذان کما تُؤذِّنون الآن اللہ اکبر اللہ اکبر اشھد ان لا الہ الا اللہ۔

★ دلیل الجمہور ★

حدیث : 850 :- عن ابی محذورۃ رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عَلَّمَهُ الأذان تسع عشرۃ کلمۃ اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر ثم ذکر بقیہ الأذان۔

عقلی دلیل :- جو کلمات اذان میں تقریر کے طور پر یعنی دوبارہ کہے جاتے ہے جو کہ لا الہ الا اللہ، اور اللہ اکبر ہے۔ اذان کے آخر میں کہے جاتے ہیں، جب ان کو اذان کے اخیر میں کہے جاتے ہیں تب صرف ایک مرتبہ کہے جاتے ہیں، مگر جب شروع میں کہے جائے تب دو مرتبہ کہے جاتے ہیں جیسے کہ اشھد ان لا الہ الا اللہ میں لا الہ الا اللہ شروع میں دو مرتبہ کہے جاتے ہیں۔ تو اس پر قیاس کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ جو تکبیر آخر میں ایک مرتبہ ہے اس کو بھی شروع میں دو مرتبہ کہا جائے گا۔

I HOPE YOU GUYS Understand. Lol.

★ مسئلہ ۲: ترجیع [دلیل المالکیہ] ★

حدیث: 846: عن ابی محذورہ رضی اللہ عنہ: قال ـــ ـــ اللہ اکبر ـــ
اشہد ان لا الہ الا اللہ ـــ ـــ ـــ اشہد ان محمداً رسول اللہ ـــ ـــ
اشہد ان لا الہ الا اللہ ـــ ـــ ـــ اشہد ان محمداً رسول اللہ ـــ

★ دلیل مذہب ثانی ★

1) حدیث: 854: عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ خواب میں جو ایک شخص کو آذان دیتے سُنا جو کہ آسمان سے اُترنے والا فرشتہ تھا اس نے اذان میں ترجیع نہیں کی تھی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تم بلال رضی اللہ عنہ کو اونچے آواز کے بلند ہونے کی وجہ سے سکھا دو۔ تو اس میں ترجیع نہیں تھی۔ تو بلال رضی اللہ عنہ نے بلا ترجیع اذان دی۔

2) ایک طرف اذان میں ترجیع ہے اور ایک طرف نہیں ہی دونوں طرح سے ثابت ہے تو ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی روایۃ میں تاویل کرنا ہے کیا تعارض کی وجہ سے۔ تو جب ابو محذورہ رضی اللہ عنہ شہادتین پر پہنچے تو ڈر ڈر کر شہادتین کا تلفظ ادا کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ شہادتین پڑھنے کا حکم دیا۔ اور دوبارہ کہنے کی وجہ سے ان کے دل میں ایمان اتر گیا۔ اور یہ معجزہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے صرف شہادتین لوٹانے سے ان کے دل میں اسلام اتر گیا۔ پھر بعد میں بھی ابو محذورہ رضی اللہ عنہ ہر اذان میں ترجیع کرتے تھے۔ تو ان کے اسلام لانے کے سبب کے بناء پر وہ ترجیع کرنا صرف ان کے ساتھ خاص تھا۔ کوئی عام حکم نہیں تھا کہ ہر اذان میں ہر شخص ترجیع کرے۔

3) عقلی دلیل: بالاتفاق اذان کے دوسرے کلمات میں ترجیع نہیں ہے تو صرف شہادتین میں کیوں ترجیع کرنا لازم ہوگی۔

★★★

★ 194 باب 2: باب الاقامۃ کیف ھی ★

★

★ مسئلہ: اقامت میں کتنے کلمات ہیں؟

★ المذھب الاول [امام مالک رحمہ اللہ] ★

10 کلمات: اللہ اکبر (2)، شہادتین (2)، حیعلتین (2) قد قامت الصلاۃ (1)
اللہ اکبر (2) لا الہ الا اللہ (1) = 10

★ المذھب الثانی [امام شافعی و احمد رحمہما اللہ] ★

11 کلمات: 10 کلمات جو اوپر مذکور ہے صرف قد قامت الصلاۃ (2) = 11

★ المذھب الثالث [احناف] ★

17 کلمات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[باب : P:294/2]

★ دلیل المذھب الاول ★

حدیث : 856 : عن انس رضی اللہ عنہ قال : أُمِرَ بلالٌ ان یَشْفَعَ الأذان و یُوْتِرَ الإقامہ۔

★ دلیل المذھب الثانی ★

حدیث : 863 : عن انس رضی اللہ عنہ قال : أُمِرَ بلالٌ رضی اللہ عنہ ان یشفع الاذان و یوتر الاقامہ الا الاقامہ۔

عقلی دلیل: پچھلے باب میں معلوم ہوا کہ جو کلمات کا تکرار ہوتا ہے وہ دوسری مرتبہ کہنے کے وقت صرف ایک مرتبہ کہے جاتے ہیں۔ تو حدیث کی بنیاد پر پوری اقامہ کو تو ایک مرتبہ کہنا ہے مگر قد قامت الصلاۃ کا تکرار نہیں ہوتا تو اس کو آدھا نہیں کیا جائے گا۔ دو مرتبہ کہا جائے گا

* بات یہ ہے کہ جو کلمات اذان میں دو مرتبہ کہے جاتے ہیں ان کو اقامہ میں ایک مرتبہ کہا جائے گا سوائے قد قامت الصلاۃ

★ اعتراض علی المذھب الاول والثانی ★

1) بلال رضی اللہ عنہ سے اقامہ کے الفاظ 2،2 مرتبہ کہنا بھی منقول ہے۔

حدیث : 872 : عن سوید بن غفلة قال : سمعت بلالا رضی اللہ عنہ یُؤَذِّن مثنی و یقیم مثنی۔

2) لفظ (أُمِرَ) جو کہ حدیث 863 : آپ کی دلیل میں آیا ہے اس میں معلوم ہوتا ہے کہ یہ عارضی حکم دیا تھا سفر میں ہونے کی وجہ سے۔ نمازمیں جلدی کرتے ہوئے،

ہماری دلیل 3) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو مثنی مثنی کا حکم دیا، حدیث: 875

4) مذھب الثانی کی عقلی دلیل غلط ہے تنصیف کا قاعدہ اقامہ میں جاری نہیں کرسکتے جیسے کہ اذان میں ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ اذان و اقامہ دو الگ چیزیں ہیں اور اذان کا قیاس اقامۃ پر صحیح نہیں ہے

5) صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی اقامت میں مثنی مثنی منقول ہے

6) تابعین سے " " " ہے۔

ہماری عقلی دلیل: حی الصلاۃ و الفلاح کے بعد کی تکبیر اللہ اکبر دو مرتبہ کہا جاتا ہے بالاجماع۔ تو اس کے مطابق قیاس کرتے ہوئے باقی اقامہ کے الفاظ کو بھی دو دو مرتبہ کہا جائے گا۔

★★★

P: 199 ★ 3: باب قول المؤذن فی اذان الصبح: الصلاة خیر من النوم ★

★

مسالک: جمہور: الصلاۃ خیر من النوم کا اضافہ کرنا چاہئے۔
عطا بن ابی رباح، طاؤس: اضافہ نہیں کرنا چاہئے۔

ان کی دلیل:

جب کہ عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے اذان کے متعلق خواب دیکھا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ بلال رضی اللہ عنہ کو سیکھا دو، تو اس اذان میں الصلاۃ خیر من النوم نہیں تھا۔

★ جمہور کی دلیل ★

1) حدیث: 888: عن ابی محذورة رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عَلَّمَهُ فی الأذان الاول من الصبح: الصلاۃ خیر من النوم۔
2) ابن عمر اور انس رضی اللہ عنہم سے بھی ثابت ہے۔

★★★

201 ★ 4: باب التاذین للفجر ای وقت هو: بعد طلوع الفجر او قبل ذلک؟ ★

★

★ مسئلہ: کیا فجر کی اذان صبح صادق سے پہلے دے سکتے ہے یا نہیں۔

مسالک: المذھب الاول: ائمہ ثلاثہ / امام ابو یوسف رحمہ اللہ: جائز ہے وقت سے پہلے اذان دینا
المذھب الثانی: امام صاحب / امام محمد رحمہ اللہ: جائز نہیں ہے۔

★ دلیل المذھب الاول ★

حدیث: 892: عن سالم عن ابیہ رضی اللہ عنہ: قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان بلالًا ینادی بلیلٍ فکلُوا و اشربوا حتی ینادی ابن ام مکتوم۔

★ اعتراض علی المذھب الاول ★

1) یہ احتمال ہے کہ آذان رمضان کے مہینہ میں لوگوں کو اٹھانے لئے دی گئی ہو اور اس میں سحری اور تہجد کے لئے اٹھانا مقصد ہو۔
2) یہ بھی احتمال ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ نے غلطی سے اذان دے دی ہوگی ان کی آنکھوں میں بیماری کے ہونے کی وجہ سے پھر اذان دوہرانی پڑی۔
جو کہ حدیث سے ہمیں معلوم چلتا ہے اور اس پہلی اذان کے بعد دوبارہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے فجر کا وقت داخل ہونے کے بعد اذان دی تھی۔

P.43

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[باب: 4، P.201]

★دلیل المذهب الثانی★ امام صاحب، امام ج،

★حدیث سے معلوم چلتا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ رات میں اذان دیتے تھے جو کہ فجر کی اذان نہیں دیتے تھے دوسری وجہ سے دیتے تھے رمضان میں اٹھانے کے لیے، اور ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ فجر کی اذان دیتے تھے

★حدیث 923: عن حفصة بنت عمر رضی اللہ عنہم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اَذَّن المؤذن بالفجر قام فصلی رکعتی الفجر ثم خرج الی المسجد وحرم الطعام، وکان لا یُؤَذن حتی یُصبح،

اس حدیث سے بھی معلوم چلتا ہے کہ فجر کی اذان صبح صادق سے پہلے نہیں ہوتی تھی

★ہماری عقلی دلیل★

★دوسری نمازوں کے لیے وقت سے پہلے اذان دینا جائز نہیں ہے تو فجر میں بھی وقت سے پہلے جائز نہیں ہوگا★

★تابعین حضرات: جیسے کہ سفیان ثوری، علقمہ رحمہما اللہ کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ فجر کے وقت سے پہلے اذان نہیں دی جا سکتی،

★★★

P: 206 ★5: باب الرجلین یؤذن احدهما ویقیم الآخر★

★

★مسئلہ: اگر اذان ایک شخص دے اور اقامہ دوسرا شخص دیتا ہے تو کیا حکم ہے؟

★مسالک★

جمہور: بالاتفاق جائز ہے،

★کراهة ہے یا نہیں★

حنفیہ، مالکیہ: جائز بلا کراهة

شوافع، حنابلہ: جائز مع الکراهة،

★دلیل الشوافع الحنابلہ★

زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور فجر کی اذان دی پھر جب لوگ کھڑے ہوئے تو بلال رضی اللہ عنہ اقامت کہنے کے لئے کھڑے ہو رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حدیث: 920:

[ان اخا صُدَاءٍ اَذَّنَ ومن اَذَّن فهو یُقیم]

تو اس حدیث سے معلوم چلتا ہے کہ جو اذان دے وہی اقامت بھی پڑھے،

★دلیل الحنفیہ والمالکیہ★

★ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس وقت میں نے خواب دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دینے کا حکم دیا، اور عبداللہ بن زید کو اقامہ کا حکم دیا، حدیث: 923

★ خواب کے بغیر کی حدیث جو کہ حقیقۃً پیش آیا تو اس میں بھی بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی اور عبداللہ بن زید نے اقامہ دی تھی رسول اللہ کے فرمان سے 924،

★ تو اس سے ثابت ہو کہ اقامہ اور اذان دو الگ شخص دے تو کوئی حرج نہیں،

★ دونوں طرف دلیل قوی معلوم ہونے کی وجہ سے ان دونوں حدیث میں تعارض واقع ہو رہا ہے تو اب نتیجہ تلاش کرنے کے لئے قیاس کی طرف جاتے ہیں،

1 - اس بات پر سب متفق ہے کہ اذان کو دو الگ الگ آدمی نہیں دے سکتے تو احتمال ہے کہ اذان اور اقامہ کا تعلق بھی کچھ اس طرح ہی ہو کہ دو الگ الگ آدمی نہیں دے سکتے، تو اذان و اقامہ ایک ہی چیز ہوگی اس صورت میں،

- اور یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ اذان و اقامہ دونوں الگ الگ چیز ہے تو دو الگ الگ آدمی اذان اقامہ کہے تو کوئی حرج نہیں ہوگا،

2 - نماز سے پہلے کچھ شرائط ہے، جیسے کہ اقامہ اور اذان، اور وہ دونوں نماز سے قریب ہے، اور جیسے کہ خطبہ اور جمعہ کے نماز دونوں قریب ہے،

تو اقامہ اور نماز میں جوڑ ہے قریب ہونے کی وجہ سے مگر جوڑ ضعیف ہے تو ایک آدمی کا دونوں چیزوں کو کرنا لازم نہیں ہے،

اور نماز جمعہ اور خطبہ میں جوڑ قوی ہے، تو ایک ہی شخص پر دونوں چیز کا کرنا لازم ہے،

تو اب ہم اذان و اقامہ کے درمیان کے جوڑ کو کس کے ساتھ مشابہ کرتے ہیں، غیر امام اقامہ کہہ سکتا ہے حالانکہ دونوں قریب ہے تو اذان واقامہ میں تو زیادہ فصل ہے تو بطریق اولی دونوں کو الگ الگ شخص پڑھے تو کوئی حرج نہیں ہوگا،

★ خلاصہ: دوسری قیاس کو ہم ترجیح دیتے ہیں،

★★★

P: 146

★ دلیل الظاهریہ ★

حدیث: قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: [اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول]

ظاہریہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ اذان کا جواب دینا واجب ہے۔

★ دلیل الجمہور ★

[حدیث: 946:- عن علقمہ عن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال کنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی بعض اسفارہ فسمع منادیا وھو یقول اللہ اکبر اللہ اکبر فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [علی الفطرۃ] فقال اشھد ان لا الہ الا اللہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [خرج من النار] ابتدرناہ فاذا ھو صاحب ماشیۃ ادرکتہ الصلاۃ فنادی بھا۔ (وحیاتی کا مالک)

ہم کہتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم چلتا ہے کہ اذان کا جواب دینا واجب نہیں ہے، بلکہ جس طرح نماز کے بعد کی دعا پڑھنا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی ہوئی ہے مستحب ہے اُسی طرح اذان کا جواب دینا بھی مستحب ہے۔

★★★

★ باب مواقیت الصلاۃ ★ 7 ★ P: 213

★

★ وقت صلاۃ الفجر

اول وقت: صبح صادق
آخری وقت: طلوع الشمس } بالاجماع

★ وقت صلاۃ الظہر

اول وقت: زوال الشمس

آخری وقت :- جمہور: ائمہ ثلاثہ، صاحبین، امام طحاوی رح، ہر چیز کا سایہ اسکی مثل ہو جانے سے فی الزوال کے سابق

:- امام صاحب: ہر چیز کا سایہ اسکے دوگنا ہو جانے سے فی الزوال کے سابق

★ دلیل الجمہور ★

ابن عباس اور ابو سعید خدری، جابر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم نے امامت جبرئیل کا واقعہ نقل کیا ہے [952 ,951] اس میں ہے کہ [انہ صلاھا فی الیوم الثانی حین کان ظل کل شیئ مثلہ]

اور یوم ثانی میں ظہر کی نماز کا آخری وقت بتانا مقصود تھا، پہلا دن ابتدائی وقت دوسرا دن آخری وقت میں نماز پڑھائی تھی۔

P:45

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

★ 208 ★ 6- باب ما یستحب للرجل ان یقوله اذا سمع الاذان ★

★

★ مسئلہ 1 :- حیعلتین کے بعد سامع کو کیا کہنا چاہیے۔
مسئلہ 2 :- اذان کا جواب دینا واجب ہے یا سنۃ۔

★ مسئلہ 1 : مسالک ★

المذهب الاول [ظاهریہ] :- حیعلتین
المذهب الثانی [احناف، شوافع] :- حوقلتین کہنا چاہیے۔
[لاحول ولا قوۃ الا باللہ]

★ دلیل المذهب الاول ★

حدیث : 924 :- عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال : سمعتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا سمعتُمْ المؤذن فقولُوا مثل ما یقول۔

★ دلیل المذهب الثانی ★

1) حدیث : 933 :- عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ـــــ اذا قال المؤذن ـــــ حیّ علی الصلاۃ فقال لاحول ولا قوۃ الا باللہ ثم قال حیّ علی الفلاح فقال : لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

2) [فقولوا مثل ما یقول المؤذن] جب مؤذن اذان شروع کرے تو تم جواب دو۔ اس سے مراد ہے کہ تمام الفاظ مؤذن کی طرح ہی کہنا ہے، سوائے حیعلتین میں۔ کیوں کہ حیعلتین کے جواب میں حیعلتین پڑھنے میں مزاق کرنا معلوم ہوتا ہے کہ مؤذن آپ کو نماز کی طرف بلا رہا ہے اور آپ بھی اس کو نماز کی طرف بلائے۔

3) اذان کے بعد کچھ دعا پڑھنی چاہیے جو حدیث میں مذکور ہے۔ جو کہ ذکر میں شمار ہوتا ہے۔ تو اذان کے بعد ذکر ہے تو حیعلتین کے بعد بھی ذکر ہونا چاہیے۔ جو ہمیں حدیث سے معلوم چلتا ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

★ مسئلہ : 2 ★

★ اذان کا جواب دینے کا کیا حکم ہے

★ مسالک ★

ظاهریہ :- جواب دینا واجب ہے۔
جمہور :- " مستحب ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[باب: 7/213:P]

★ اعتراض علی الجمہور ★

حدیث جبرئیل 2 معنوں پر محتمل ہے،

1) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی جب کہ ہر چیز کا سایہ اس کے ہم مثل ہوگیا تو مثل اول کے بعد کا وقت ظہر میں داخل ہے

2) ظہر کی نماز پڑھی ایک مثل سے پہلے یعنی قریب تھا کہ ہر چیز کا سایہ اسکی مثل ہو جائے اور یہ لغت عربی میں پیش آتا ہے، مثلاً:

سورۃ البقرۃ: 231: [واذا طلقتم النسآء فبلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف] تو ادھر فبلغن سے مراد یہ نہیں ہے کہ جب عدۃ ختم ہو جائے تو رجوع کرے بلکہ عدۃ کا ختم ہونے سے پہلے رجوع کرے۔

★ احتمال ثانی اختیار کرنے سے عصر اور ظہر میں مشترک وقت لازم آتا ہے، اس وجہ سے کہ امامت جبرئیل کی حدیث میں پہلے دن جب وقت بیان کرنا مقصود ہے تو عصر کی نماز اس وقت پڑھی جب کہ اسکا سایہ اسکی مثل ہوگیا، اور یوم الثانی میں جہاں آخری وقت بیان کرنا مقصود ہے تو اس وقت ظہر کی نماز پڑھی تو گویا کہ ایک ہی وقت میں پہلے دن ظہر کی نماز پڑھی اور دوسرے دن عصر کی نماز پڑھی. تو اس لحاظ سے مشترک وقت ہونا لازم آتا ہے اور دو نماز کے درمیان ایک وقت مشترک ہونا محال ہے. تو پہلے احتمال کو لیا جائے گا جو کہ حدیث سے معلوم چلتا ہے. حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کی روایۃ امامت جبرئیل کے سلسلہ میں کہ صاف الفاظ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم الثانی میں ظہر کی نماز کو عصر کی نماز کے قریب تک مؤخر کیا

[ثم أخّر الظہر حتی کان قریبًا من العصر]

IDK ، تو اس سے ثابت ہوا کہ ظہر کا آخری وقت مثل اول ہے،

★ وقت صلاۃ العصر ★

★ اول وقت: ظہر کے آخری وقت کے بعد عصر کا وقت شروع

★ آخری وقت:

احناف: غروب الشمس

حنابلہ: اصفرار الشمس

مالکیہ/شافعیہ: فی روایۃ: اصفرار الشمس وفی روایۃ: مثلین

امام طحاوی رحمہ اللہ: اصفرار الشمس۔

★ دلیل الاحناف ★ [قائلین غروب الشمس]

حدیث: 960: عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال
من ادرک رکعۃ من صلاۃ الصبح قبل طلوع الشمس فقد ادرک الصلاۃ،
ومن ادرک رکعۃ من صلاۃ العصر قبل ان تغرب الشمس فقد ادرکہ۔

★ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تغیر الشمس / اصفرار الشمس کے بعد عصر کا وقت باقی رہتا ہے غروب تک۔

★ دلیل الجمہور ★ [قائلین اصفرار الشمس]

1) حدیث: 957: عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
— وان آخر وقتہا [عصر] حین تصفر الشمس۔

2) عن ابی ذر رضی اللہ عنہ قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کُنّا نُنہٰی عن الصلاۃ عند طلوع الشمس وغروبہا ونصف النہار۔

★ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ غروب سے پہلے ہی وقت عصر ختم ہوجاتا ہے لہٰذا تغیر الشمس / اصفرار سے پہلے پڑھنا ضروری ہے۔

★ توجیہ کی صورت احناف کے نزدیک ★

احادیث میں تعارض دور کرنے کے لئے اصفرار الشمس سے پہلے عصر کی نماز پڑھنے کی احادیث کو فضیلت پر محمول کریں گے اور اصفرار کے بعد پڑھنا غروب تک اس کو مکروہ وقت پر محمول کرینگے۔

★ توجیہ کی صورت جمہور کے نزدیک ★

1) کہ احناف کی پیش کردہ احادیث منسوخ ہے۔

2) احناف نے جو "رکعۃ" کی حدیث پیش کی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ جو امام کو رکوع میں پائے تو اس نے پوری نماز کی جماعت کا ثواب پالیا

★ جمہور کی عقلی دلیل ★

★ بالاجماع اصفرار الشمس کے وقت قضاء الفوائت اور نوافل سے منع کیا گیا ہے تو عصر کی نماز بھی نہیں پڑھ سکتے۔

★ احناف کی طرف سے جواب ★

★ نماز کو ناقص وقت میں شروع کرکے کامل وقت پورا کرسکتا ہے یہ اصول ہے تو یہی قاعدہ عصر میں چلیگا کہ غروب الشمس کا وقت ناقص وقت ہے تو اس میں شروع کرے تو کامل وقت میں وہ عصر کی نماز کو پورا کرسکتا ہے۔

P:49

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[باب: 7 / P:213]

* وقت صلاۃ المغرب *

* اول وقت

جمہور :- غروب الشمس

عطاء اور طاؤس :- جب کہ ایک ستارہ آسمان میں طلوع ہو جائے۔

* جمہور کی دلیل *

1) حدیث : 922 :- عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال : کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی المغرب اذا وجبت الشمس :

2) صحابہ غروب الشمس کے بعد نماز مغرب پڑھتے تھے۔

* عثمان، عمر، عبد اللہ بن مسعود، ابو ہریرہ رضی اللہ کا فتوی اور عمل اس پر ہے کہ غروب الشمس کے بعد مغرب کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

* دلیلُ عطاء و طاؤس *

* رسول اللہ نے عصر کی نماز اونٹ کے چراگاہ میں پڑھی پھر فرمایا : یہ نماز پہلے لوگوں کو دی گئی تو انہوں نے ضائع کر دیا تو جو اس کی حفاظت کرے گا تو اس کو دوگنا اجر ملے گا۔ اس کے بعد یہ فرمایا [ولا صلاۃ بعدھا حتی یطلع الشاھد والشاھد: النجم فقالوا : طلوع النجم ھو اول وقتھا] 975

* اعتراض علی عطاء و طاؤس *

* شاھد کی تشریح وہ راوی کی تشریح ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں ہے تو اس سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

* آخر وقت المغرب *

مذھب اول : صاحبین / ائمہ ثلاثہ : شفق احمر

مذھب ثانی : امام صاحب / امام طحاوی : شفق ابیض

* دلیل مذھب اول *

* امامت جبرئیل میں مغرب کی نماز شفق کے غائب ہونے کے وقت پڑھی تھی تو اس شفق سے مراد شفق احمر مراد ہے۔

* دلیل مذھب ثانی، امام صاحب، طحاوی *

حدیث میں شفق کی صراحت نہیں ہے تو عقلی دلیل کی طرف ہم جاتے ہیں، کہ ہم نے دیکھا کہ یہی دونوں شفق یعنی احمر اور ابیض فجر کے وقت بھی نظر آتے ہیں اور دونوں فجر کے وقت میں شامل ہے، تو اسی پر قیاس کرتے ہوئے ہم یہ کہتے ہیں کہ شفق احمر اور ابیض جو کہ غروب شمس کے بعد نظر آتے ہیں دونوں مغرب کے وقت میں شامل ہے ان دونوں کے غائب ہونے کے بعد مغرب کا وقت باقی نہیں رہتا۔

FIVE STAR.

★ وقت صلاۃ العشاء ★

اول وقت: جن حضرات کے نزدیک جب بھی مغرب کا وقت ختم ہوجاتا ہے اس کے فوراً بعد عشاء کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔

آخری وقت: بالاتفاق صبح صادق تک رہتا ہے

★ امامت جبریل علیہ السلام کے واقعہ میں جو جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم الثانی میں عشاء کی نماز اس وقت پڑھی جب کہ ثلث اللیل ہو چکی تھی [حدیث: ۹۴۹]

ادھر (2) احتمال ہیں، 1) ثلث اللیل سے پہلے پڑھی پھر ثلث اللیل آخری وقت ہے عشاء کا 2) ثلث اللیل کے بعد پڑھی تو کیا ثلث اللیل کے بعد صبح صارق تک عشاء کے وقت میں داخل ہے۔

← لھذا جب یہ روایت محتمل ہے تو دوسری احادیث کو دیکھا جائے گا کہ آخری وقت عشاء کی نماز کے لئے کیا ہے،

1) دوسری احادیث میں عشاء کا آخری وقت نصف اللیل بیان کیا گیا ہے، جو کہ مرفوع احادیث سے منقول ہے [حدیث: ۹۹۲: وقت العشاء الی نصف اللیل]

2) صحابہ سے بھی روایت سے معلوم چلتا ہے کہ عشاء کا آخری وقت نصف اللیل ہے (۹۹۶)

★ اب دیکھنا پڑے گا کیا دوسری احادیث میں نصف اللیل کے بعد بھی عشاء کی نماز پڑھنا ثابت ہے یا نہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ نصف اللیل کے بعد بھی رسول اللہ نے عشاء کی نماز پڑھی ہے،

حدیث: ۹۹۹: عن حمید الطویل قال سمعتُ انس بن مالک رضی اللہ عنہ یقول أخّر رسول صلی اللہ علیہ وسلم الصلاۃ ذات لیلۃ الی شطر لیل

اس سے معلوم چلتا ہے کہ آدھی رات سے بعد نماز عشاء پڑھی،

حدیث: ۱۰۰۲: عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایۃ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز اکثر رات گزرنے کے بعد پڑھی اور فرمایا [انہ لوقتھا [عشاء] لولا ان اشق علی امتی] اس سے بھی معلوم چلتا ہے کہ آدھی رات کے بعد عشاء کا وقت رہتا ہے،

★ **خلاصہ:** تمام احادیث کو دیکھتے ہوئے واضح ہوتا ہے کہ عشاء کی نماز کو ادا کرنے کے لحاظ سے اوقات تین (3) طرح کے ہیں

1) وقت داخل ہونے سے ثلث اللیل تک: اس میں عشاء ادا کرنا "افضل" ہے
2) ثلث اللیل سے نصف اللیل تک: 〃 〃 〃 "مباح" ہے
3) نصف اللیل سے صبح صادق تک: 〃 〃 〃 "مکروہ" ہے

★★★

P:51

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

8 ★ باب الجمع بین صلاتین: کیف هو؟ ★

مسئلہ: جمع بین الصلاتین کا کیا حکم ہے؟

★ جمع بین صلاتین کی 2 شکل ہے

1) جمع صوری:- کہ ایک نماز کو اپنے آخری وقت پر پڑھنا اور دوسری نماز کو اس کے شروع میں پڑھنا - یہ بالاتفاق جائز

2) جمع حقیقی:- حقیقتاً دو نماز کو ایک وقت میں پڑھنا، یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے

★ مسالک ★

مذہب اول: احناف:- لا یجوز مطلقا (یعنی جمع حقیقی)

مذہب ثانی: ائمہ ثلاثہ:- یجوز بالعذر، 1) سفر 2) مطر

★ ائمہ ثلاثہ کی دلائل ★

حدیث: 1014 :- عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ أنّ النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم کان یجمع بین صلاتین فی السفر.

اس مضمون میں (6) صحابہ ہے جن کو امام طحاوی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے جس میں ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع کیا ظہر وعصر کے درمیان اور مغرب و عشاء کے درمیان. [ابن مسعود، ابن عباس، ابن عمر رضی اللہ عنہم]

★ رد علی مذہب ثانی ★

★ جو احادیث آپ نے دلیل کے طور پر پیش کی ہے اس میں 2 احتمال ہے

1) جمع حقیقی ہے یا 2) جمع صوری ہے.

★ حدیث کے محتمل ہونے کی وجہ سے یہ احادیث آپ کی دلیل نہیں بن سکتی.

★ ائمہ ثلاثہ کا جواب ★

★ عن ایوب عن نافع اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حقیقۃً دو نماز کو سفر میں جمع کیا تھا. [1036، 1037]

★ ان کے خلاف حجۃ ★ [1034]

1) ایوب کی حدیث میں "سارنا حتی غاب الشفق" کا حصہ، نافع رحمہ اللہ کے تمام شاگرد میں سے کسی نے ذکر نہیں کیا حالانکہ دوسرے لوگ بھی سفر میں ساتھی تھے، تو اس سے استدلال صحیح نہیں ہے

گے اس میں بھی صراحۃ نہیں ہے کہ آپ نے جمع حقیقی یا صوری، آپ نے صرف عشاء کو شفق کے غائب ہونے کے بعد پڑھا تو جمع صوری ہوگی۔

* دوسری بات یہ حضرات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ جمع صوری تھی

* فریق مخالف کی طرف سے اشکال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ عصر پڑھی مثل اول میں اور دوسرے دن ظہر مثل اول ہی میں پڑھی تو مطلب ہے کہ دونوں کا وقت ایک ہے۔

* جواب: اس میں ہم قرب کا معنی لیتے ہیں کہ ظہر قرب مثل اول پڑھی تھی، تو اشکال نہیں ہوگا۔

نظر طحاوی

* اگر فجر کی نماز میں تقدیم و تاخیر نہیں کر سکتے تو دوسری نماز میں بھی نہیں کر سکتے۔

* اشکال: حج کے موقع پر عرفہ میں جمع کیوں کرتے ہو؟

جواب: اگر حج میں امام نماز کو اپنے اوقات پر پڑھے تو پھر وہ گناہ گار شمار ہوگا لیکن اگر مقیم اس طرح کرے تو پھر گناہ گار نہیں ہوگا۔ تو مطلب یہ ہے کہ عرفہ میں جمع کرنا مخصوص صورۃ میں۔

صحابہ کا عمل بھی حج میں جمع کرنے کا رہا ہے۔

خلاصہ: جہاں پر بھی جمع بین صلاتین حدیث میں مذکور ہے وہ جمع صوری مراد ہے نہ کہ حقیقی۔

***

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

★ 9: باب الصلاة الوسطى : ای الصلوات ★

★ مذاھب ★

1) امام صاحب / امام طحاوی رحمہما اللہ :- صلاۃ الوسطی عصر کی نماز ہے۔
2) امام شافعی / امام مالک رحمہما اللہ :- صلاۃ الوسطی فجر کی نماز ہے۔
3) عند البعض :- صلاۃ الوسطی ظہر کی نماز ہے۔

★ مذھب 3 کے دلائل ★

1) ~~زید رضی اللہ~~ عنہ سے مروی ہے کہ ظہر کی نماز میں زیادہ لوگ نماز میں نہیں آیا کرتے تھے تو آیۃ نازل ہوئی "حافظوا على الصلوات والصلاة الوسطى" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعید بیان فرمائی کہ میں ان کے گھروں کو جلا دونگا اگر وہ نماز کے لئے نہ آئے۔ (حدیث: 1047)
2) ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی سوال کیا گیا تو اُن سے بھی یہی معلوم ہوا کہ صلاۃ الوسطی ظہر کی نماز ہے۔ [حدیث: 1053]

★ مذھب 3 پر کچھ اعتراضات ★

★ 1) زید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں صراحۃ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا کہ صلاۃ الوسطی ظہر کی نماز ہے یہ تو زید رضی اللہ عنہ کا بیان کردہ کلام ہے تو ہمارے نزدیک یہ دلیل نہیں ہو سکتا۔ ہاں ہمیں اس قرآن کی آیۃ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز کی پابندی کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ [حدیث: 1054]
2) ابن مسعود اور دیگر تابعین سے منقول ہے کہ صلاۃ الوسطی صلاۃ الجمعہ ہے
3) ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ و سعید بن مسیب سے مروی ہے کہ صلاۃ الوسطی سے مراد صلاۃ العشاء ہے۔
4) جابر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا اُسی حدیث کے بارے میں تو جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ان لوگوں کے گھروں کو جلا دونگا جو پیچھے رہ گئے، رسول اللہ کا یہ فرمان صرف نماز کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمومی احکام کے بارے میں یہ حکم دیا تھا۔

★ ان چار باتوں سے ہمیں یہ معلوم چلتا ہے کہ صلاۃ الوسطی کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صریح بیان نہیں ہے بلکہ صحابہ کا آپس میں اختلاف ہے

★ فریق مخالف کو ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کا جواب ★

1) ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں صراحۃ نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ صلاۃ الوسطی وہ صلاۃ الظہر ہے۔
2) دوسری روایۃ میں ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ صلاۃ الوسطی وہ صلاۃ العصر ہے۔

★ **نتیجہ:** کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں تضاد ہے تو قابل استدلال نہیں ہے

P:54

★ اب یہ ثابت ہوا کہ فریق مخالف کے دلائل قابل استدلال نہیں ہے تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دوسرے صحابہ سے کیا مروی ہے؟

★ شوافع ومالکیہ کی دلیل ★ ★ دوسرے صحابہ کی آراء ★

1) ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایۃ : صلاۃ الوسطی : صلاۃ الفجر 1067
" " دوسری روایۃ صلاۃ العصر 1078

جواب ★ ان کے کلام میں تضاد پایا گیا تو ساقط ہوگیا۔

2) حفصہ رضی اللہ عنہما کے مصحف میں لکھا ہے کہ "حافظوا علی الصلوات والصلاۃ الوسطی وصلاۃ العصر" (ودوعائشہ رضی اللہ عنہا) تو فریق مخالف نے استدلال کیا کہ حدیث میں دونوں مذکور ہے تو مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرے کے غیر ہے اور الگ الگ نماز ہے۔ 1079، 1082

جواب ★ 1) ان احادیث میں ایک تاویل کا احتمال ہے ، 1) ہوسکتا ہے کہ ایک ہی نماز کے دو نام بیان کرنا مقصود ہو ، کہ صلاۃ الوسطی کو صلاۃ العصر بھی کہا جاتا ہے

2) دوسری روایۃ میں ہے کہ عمر بن رافع رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے مصحف میں لکھا ہے "حافظوا علی الصلوات والصلاۃ الوسطی" وھی صلاۃ العصر "وقوموا للہ قانتین" : اس سے معلوم ہوا کہ دو الگ الگ نام والی ہماری تاویل صحیح ہے

3) براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حفصہ وعائشہ رضی اللہ عنہما کی قرأت منسوخ ہے

★ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا صلاۃ الوسطی کے بارے میں ★ (ہماری دلیل)

1) مرفوع احادیث : ابوھریرہ و سمرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : [صلاۃ الوسطی صلاۃ العصر] 1096، 1094

2) علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ صلاۃ الوسطی وہ صلاۃ العصر ہی ہے ، 1085

★ تواتر سے ثابت ہوگیا کہ صلاۃ الوسطی وہ صلاۃ العصر ہی ہے۔

★ اور موقوف روایات سے بھی صلاۃ الوسطی کا صلاۃ العصر ہونا ثابت ہوتا ہے

[ابی بن کعب ، ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہما]

★ سوال : عصر کی نماز کو صلاۃ الوسطی کا نام کیوں دیا گیا؟

جواب : دن اور رات کی دو دو نماز کے درمیان عصر کی نماز کے آنے کی وجہ سے عصر کی نماز کو صلاۃ الوسطی کا نام دیا گیا۔

★ حدیث : (1101) :- پہلی نماز جو پڑھی گئی وہ آدم علیہ السلام نے فجر کی نماز پڑھی ،
دوسری نماز جو پڑھی گئی وہ ابراہیم علیہ السلام نے ظہر کی نماز پڑھی ،
تیسری " " " " " عزیر علیہ السلام نے عصر کی نماز " ،
چوتھی " " " " " داود علیہ السلام نے مغرب کی نماز " ،
پانچوی " " " " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز " ،

★ تو اس کو دیکھ کر معلوم ہوا کہ عصر کی نماز درمیان والی نماز ہے اس لئے اسے وسطی کہا گیا ہے۔

★ ★ ★

P:55

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

P:248 ★ ۱۰: باب الوقت الذی یصلی فیه الفجر: ای وقت هو ★

مسئلہ: فجر پڑھنے کا افضل و مستحب وقت کیا ہے۔

★مسالک★

ائمہ ثلاثہ:- تغلیس میں [اندھیرے میں پڑھنا مستحب]

احناف:- اسفار [روشنی میں " "]

امام طحاوی:- غلس میں شروع اور اسفار میں ختم کرے۔

★ دلیل الائمہ الثلاثہ ★

حدیث: 1102: عن عائشہ رضی اللہ عنها قالت: کُنَّ نساءً من المؤمنات یُصلین مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلاۃ الصبح متلففات بمروطهن (چادر میں لپٹے ہوئے) ثم یرجعن الی اهلهن وما یعرفهن احدٌ

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فجر کی نماز غلس میں شروع ہوتی تھی اور غلس میں ختم ہوتی تھی۔

★ دلیل الاحناف ★

1) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز اتنی روشنی میں پڑھتے تھے کہ اگر کوئی تیر پھینکنے والا تیر پھینکتا تو اس کے تیر کے گرنے کے نشان نظر آتے

حَتّٰی لو انّ انسانًا رمٰی بنبله ابصر مواقع نبله (1118)

2) حدیث: 1122: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسفروا بالفجر فکلما اسفرتم فهو اعظم للاجر۔

★ دلیل الطحاوی رحمہ اللہ ★

1) ابوبکر، عمر و علی رضی اللہ عنهم کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات فجر کی نماز غلس میں شروع کرتے تھے، اور اسفار میں ختم کرتے تھے۔ ان حضرات کی نماز بہت طویل ہوتی تھی۔

2) عمر رضی اللہ عنہ عمال کو حکم دیتے تھے قرائت کو طویل کرنے کا۔ (1142)

3) عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی فجر کی نماز کو غلس میں شروع کر کے اسفار میں ختم کرنا ثابت ہے۔

4) تابعین سے بھی جیسے کہ ابراهیم نخعی رحمہ اللہ سے بھی غلس میں شروع کرنا اور اسفار میں فجر کی نماز کو ختم کرنا ثابت ہے۔

★★★

FIVE STAR.

P:56

★ 11: باب الوقت الذی یستحب ان یصلّی صلاۃ الظہر فیہ ★ P:259

مسئلہ: ظہر کی نماز پڑھنے کا مستحب وقت کیا ہے؟

★ مسالک ★

1) شافعیہ :- تعجیل شروع وقت میں

2) جمہور :- فی الصیف ابراد، وفی الشتاء تعجیل

★ دلیل الشافعیہ ★

حدیث: 1154: عن اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی الظہر بالھجیر، [دوپہر میں پڑھتے تھے]

★ دلیل الجمہور ★

حدیث: 1181: عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: اذا کان الیوم الحار فأبردوا بالصلاۃ فانّ شدۃ الحرّ من فیح جہنم [تپش]

اس طرح کی احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ گرمی میں دیر سے ظہر کی نماز ادا کرنا ہے اور ٹھنڈی میں ابتدائی وقت میں۔

★ ابو ھریرہ، ابو موسی، انس بن مالک، ابن مسعود، ابو سعید خدری رضی اللہ عنھم

● سے صریح احادیث دلالت کرتی ہے کہ گرمی میں دیر اور ٹھنڈ میں تعجیل سے ظہر کی نماز ادا ہوتی تھی۔

★ شوافع کی بیان کردہ حدیث جو کہ ان کی دلیل ہے وہ ہماری دلیل کی بناء پر منسوخ ہو گئی ہے، [1154]

اشکال: 1) سوید رضی اللہ عنہ کی روایت میں وہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے اول وقت میں ظہر کی اذان دی تو پھر حجاج نے ان کی طرف قاصد بھیجا اول وقت میں اذان دینے کے متعلق، تو سوید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: [صلیت مع ابی بکر ومع عمر ومع عثمان رضی اللہ عنھم حین زالت الشمس] تو بعد میں حجاج نے ان کو مؤذن کے مقام سے معزول کر دیا۔

جواب: اس میں صراحۃ نہیں ہے کہ گرمی کا زمانہ تھا یا ٹھنڈی کا تو سوید رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال صحیح نہیں ہے۔

★ 1190 اور عمر رضی اللہ عنہ نے بھی حکم دیا ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو کہ گرمی کے موسم میں ظہر کی نماز میں تاخیر کرو۔

اشکال: 2) فصل اول کی روایت میں تعجیل کا حکم ہے اور بعض روایات میں تاخیر کا حکم ہے وہ گرمی کی شدت سے بچنے کے لئے ہے اس وجہ سے رخصت دی گئی ہے ورنہ اصل عزیمت ہے اور وہ تعجیل کرنا ہے۔

جواب: یہ توجیہ غلط ہے اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں جب جاتے تھے تو جب کوئی سایہ نہیں ہوتا تھا صحراء میں پھر بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم تاخیر فرماتے تھے، حالانکہ تاخیر کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی کیونکہ پہلے بھی سایہ نہیں تھا سفر میں اور بعد میں بھی سایہ نہیں ہوتا تھا، پھر بھی تاخیر کرتے تھے۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ مستحب وقت ظہر پڑھنے کا گرمی کے موسم میں تاخیر کرنا ہی ہے۔

★★★

P:57

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

P:265 ★12: باب صلاۃ العصر هل تعجل او تؤخر ★

مسئلہ: عصر کی نماز جلدی پڑھی جائے یا تاخیر سے

★مسالک★

الجمہور: تعجیل افضل ہے

احناف: تاخیر افضل ہے

★ دلیل الجمہور ★

حدیث: 1192:- عن انس رضی اللہ عنہ قال: سمعت یقول: ماکان احدٌ اشدَّ تعجیلاً لصلاۃ العصر من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

جواب: احناف کہتے ہیں کہ اس حدیث میں تعجیل ثابت نہیں ہو رہی ہے بلکہ یہ ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز مستحب وقت کے آخیر میں پڑھتے ہوں گے۔

★ دلیل الاحناف ★

1) حدیث: 1212:- عن نافع أنّ عمر رضی اللہ عنہ کتب الی عماله: ان أهمَّ عندی الصلاۃ ----- صلّوا العصر والشمس مرتفعةٌ بیضاءُ نقیةٌ قدر ما یسیرُ الراکبُ فرسخین أو ثلاثةً. [یہاں بھی تاخیر افضل ہے]

2) ابو قلابہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عصر کو اس وجہ سے عصر کا نام دیا گیا ہے کیونکہ عصر کا معنی ہے مؤخر کرنا، تو اس وجہ سے عصر کو مؤخر کرنا مستحب ہے، مکروہ وقت سے پہلے پڑھ لیا جائے۔

★خلاصہ★

★ اس فصل میں تمام روایات جو تعجیل اور تاخیر پر دلالت کرتی ہیں مبہم ہے لہٰذا استدلال کرنا قوی نہیں ہے۔

★★★

P: ★13 باب رفع الیدین فی افتتاح الصلاۃ: الی این یبلغ بهما★

مسئلہ: تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو کہاں تک اٹھانا ہے؟

★ مسالک ★

1) ائمہ ثلاثہ:- الی المنکبین

2) امام احمد رحمہ اللہ کی مشہور روایۃ:- کوئی تحدید نہیں ہے۔

3) احناف:- الی الأذنین

★ امام احمد رحمہ اللہ کی مشہور روایت کی دلیل ★

حدیث: 1217: قال دخل علینا ابو هریرة رضی اللہ عنہ فقال: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قام الی الصلاۃ رفع یدیہ مدّا.
اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی تحدید نہیں ہے۔

★ ائمہ ثلاثہ کی مذھب کی دلیل ★
1218:
حدیث: عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان اذا قام الی الصلاۃ المکتوبۃ کبّر و رفع یدیہ حذْوَ منکبیہِ

★ دونوں مذاھب کی دلیل کا جواب ★
ابو هریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں 2 احتمال ہے۔
1) حدیث میں الفاظ [رفع یدیہ مدّا] ہے اور مراد ان الفاظ سے منکبین تک ہاتھ کو اٹھانا ہے۔ تو یہ حدیث مذھب 2 (ائمہ ثلاثہ) سے موافق ہوگی
2) حدیث میں جو ہاتھ اٹھانا کندھوں تک وہ دعا کے لئے ہو سکتا ہے۔ نماز کو شروع کرنے سے پہلے۔ [ائمہ ثلاثہ کو جواب]

★ احناف کی دلیل ★

حدیث: 1224: عن البراء بن عازب رضی اللہ عنہ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا کبّر لافتتاح الصلاۃ رفع یدیہ حتی یکون ابہاماہ قریبًا من شحمتَیْ اذنیہ

★ امام طحاوی رحمہ اللہ نے تینوں روایات میں تطبیق کی صورت بیان کی ہے ★
روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ منکبین تک رفع الیدین کرتے تھے عند الضرورت ورنہ اصل اذنین تک رفع الیدین ہوتا ہے۔ جیسے کہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے تو ان کو دیکھا [یرفع یدیہ حذاء اذنیہ] اور جب دوسرے سال گئے تو کہ صحابہ رضی اللہ عنہم چادر پہنے ہوئے تھے سردی کی وجہ سے اور رفع الیدین منکبین [کندھوں تک] اٹھایا۔

★★★

بسم اللہ الرحمن الرحیم

★14: باب ما یقال فی الصلاۃ بعد تکبیر الافتتاح ★ 275

★

★ مسالک ★

1) مذھب اول [مالکیہ] :- تکبیر تحریمہ کے بعد کوئی بھی ذکر پڑھنا مسنون نہیں

2) مذھب ثانی [امام صاحب، امام محمد رحمہ اللہ، حنابلہ] :- ثناء پڑھنا مسنون ہے

3) مذھب ثالث [امام شافعی رحمہ اللہ] :- توجیہ [إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي]---

4) مذھب رابع [امام ابو یوسف و امام طحاوی رحمہما اللہ] :- ثناء و توجیہ افضل۔

★ دلیل المذھب الثانی ★

حدیث: 1232 :- عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا افتتح الصلاۃ یرفع یدیہ حَذْوَ منکبیہ ثم یُکَبِّرُ ثم یقول [سبحانک اللھم وبحمدک و تبارک اسمک وتعالی جدک ولا الہ غیرک]

اس روایۃ سے ثناء پڑھنا ثابت ہوتا ہے اور صاحب کتاب نے اس طرح کی روایۃ 3 صحابہ سے نقل کیا ہے،

1) ابو سعید الخدری 2) عائشۃ 3) عمر رضی اللہ عنہم اجمعین

★ دلیل المذھب الثالث ★

حدیث: 1240 : عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا افتتح الصلاۃ قال :- [وجھت وجھی للذی فطر---- الی آیۃ]

اس حدیث سے توجیہ ثابت ہو رہی ہے،

★ یہاں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ ثناء اور توجیہ کو جمع کر دیا جائے جو کہ مذھب رابع کی دلیل ہے۔

★★★

★ 15: باب قراءۃ [بسم اللہ الرحمن الرحیم] فی الصلاۃ ★ 277

★

مسئلہ 1 :- فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا کیا حکم ہے اور اگر پڑھی جائے تو سرًا پڑھا جائے گا یا جھرًا

★ مسالک ★

مذھب اول [شافعیہ] : سری نماز میں سرًا اور جھری میں جھرًا بسم اللہ پڑھا جائے گا

مذھب ثانی [مالکیہ] : بسم اللہ نہیں پڑھا جائے گا

مذھب ثالث [احناف حنابلہ] : فاتحہ سے پہلے بسم اللہ ہر نماز میں سرًا پڑھنا مستحب ہے

P, 60

مسئلہ 2 :- بسم اللہ قرآن کا جز ہے یا نہیں؟

★ مسالک ★

2) مالکیہ : قرآن کا جز نہیں ہے -> [امام طحاوی رحمہ اللہ]

1) شوافع : ہر سورۃ کا جز ہے

3) احناف : وہ ایک قرآن کی آیۃ ہے، جو دو سورۃ کے درمیان فصل کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے، فاتحہ یا کسی سورۃ کا جز نہیں ہے۔
اسی وجہ سے اس کو صرف ایک مرتبہ تو تراویح میں پڑھ لینا چاہیے۔

★ مسئلہ 2 : مذھب اول کی دلیل ★ (شافعیہ) 1244

1) ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی اور تسمیہ زور سے پڑھا اور نماز کے بعد فرمایا کہ میں تم میں سے سب سے زیادہ رسول اللہ کی نماز کی مشابہت رکھنے والا ہوں۔

2) حدیث : عن ام سلمۃ رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی بیتھا فیقرأ بسم اللہ الرحمن الرحیم ۞ ------ 1245

3) ابن عباس رضی اللہ عنھما نے [ولقد آتینک سبعا من المثانی] کی تشریح میں فرمایا کہ سورۃ الفاتحہ ہے، اور پھر تلاوت فرمائی [بسم اللہ ---]
اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تسمیہ فاتحہ کا جز ہے لہذا جو فاتحہ کا حکم ہے وہ بھی تسمیہ کا حکم ہے لہذا تسمیہ کو فاتحہ کے ساتھ جہری نماز میں جہرًا اور سری نماز میں سرًا پڑھا جائے گا۔

★ رد علی المذھب الاول ★

حدیث : حدثنا ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا نھض فی الثانیۃ استفتح بـ[الحمد للہ رب العالمین] ولم یسکت

★ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تسمیہ فاتحہ کا جز نہیں ہے ورنہ فاتحہ کے ساتھ اس کو بھی پڑھتے

★ مذھب اول کی تیسری دلیل قوی نہیں ہے اس لئے کہ یہ بات مسلّم ہے کہ فاتحہ کی (7) آیات ہیں اور جو لوگ تسمیہ کو ایک مستقل آیۃ ہونے کے قائل نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ [انعمت علیھم] ایک مستقل آیۃ ہے، نہ کہ بسم اللہ ایک آیۃ ہے۔

★ عثمان رضی اللہ عنہ کا جمع القرآن کا واقعہ :-
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھما نے تسمیہ کے بارے میں سوال کیا اور اسکا خلاصہ یہ ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے نزدیک تسمیہ قرآن کا جز نہیں ہے وہ تو صرف فصل کرنے کے لئے نازل ہوا ہے دو سورتوں کے درمیان لہذا فاتحہ کا جز نہیں ہے، تو جہرًا کہنا بھی درست نہیں ہے۔

P: 61

بسم الله الرحمن الرحیم

(باب: 15: 277 :P)

★ دلیل مذہب ثالث کی ★ [احناف ★]

★ متواتر روایات سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اور خلفاء الراشدین تسمیہ جہرًا نہیں پڑھتے تھے (حدیث: 1257)

★ اس سے بھی معلوم چلتا ہے کہ بسم اللہ کو جہرًا نہیں پڑھا فاتحہ کے ساتھ تو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ فاتحہ کا جز بھی نہیں ہے۔

★ اور ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے مروی ہے کہ جہرًا بسم اللہ پڑھنا وہ اعرابیوں کا طریقہ ہے۔ (حدیث: 1270)

★★★

P: 284 ★ 16: باب القراءۃ فی الظہر والعصر ★

★ مسئلہ:- امام کے لئے تلاوت کن کن نمازوں میں فرض ہے۔

★ مسالک ★

مذہب اول: [حسن بن صالح / ابراہیم بن عُلَیَّہ]:- ظہر عصر میں قرات فرض نہیں ہے۔

مذہب ثانی: [جمہور]:- سب نمازوں میں قرات فرض ہے۔

★ مذہب اول کی دلیل ★

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر و عصر میں قرات کرتے تھے تو آپ (رضی اللہ عنہما) نے فرمایا نہیں۔ پھر آپ سے کہا گیا کہ شاید وہ دل ہی دل میں پڑھتے ہوں تو آپ رضی اللہ عنہما نے فرمایا نہیں: (1275)

★ رد علی مذہب اول ★

1) ایک روایت سے معلوم چلتا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر و عصر میں قرات کرتے تھے یا نہیں۔ [1278]

2) ابن عباس (رضی اللہ عنہما) کا فتویٰ ہے کہ ظہر و عصر میں کم از کم فاتحہ کی قرات لازم ہے۔

(1301) پڑھی ★ جمہور کی دلیل ★

1) انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز میں [سبح اسم ربک الاعلی]

2) حدیث: 1284: عن عبداللہ بن ابا قتادہ ان اباہ رضی اللہ عنہ اخبرہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقرأ فی الظہر والعصر، فیسمعنا الآیہ احیانا: سنا دیتے تھے کبھی کبھی آیۃ۔

★ نظر طحاوی ★

★ افعال الصلاۃ کے چار اقسام ہیں، ۲ کا حکم ایک ہے۔

1) فرض افعال: [قیام، رکوع، سجود] اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی، ہر نماز میں فرض ہے،

2) واجب افعال: [قاعدہ اولی] تمام نماز میں اسکا حکم واجب کا ہی ہے،

3) وہ افعال جن میں اختلاف ہے [قاعدہ اخیرہ] بعض کے نزدیک فرض، بعض کے نزدیک واجب۔ جو فرض ہونے کے قائل ہے تو اسکا حکم تمام نمازوں میں فرض رکھتے ہیں، اور جو واجب کا حکم دیتے ہیں وہ تمام نمازوں میں واجب کا حکم رکھتے ہیں،

★ تو یہ آخری بات پر ہم استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قرات فریق مخالف کے یہاں رات کی نمازوں میں فرض ہے جو کہ افعال الصلاۃ کی پہلی قسم میں سے ہیں تو دن کی نماز میں بھی قرات ہر نماز میں فرض ہوگی۔

★ جو حضرات قرات کو رکن نہیں مانتے ہم ان کو کہتے ہیں کہ قرات کا طرف جہرًا ساقط ہونا بالکلیہ قرات کو ساقط نہیں کرتا بلکہ سرًا بھی قرات کرنا ثابت ہے۔

★ جماعت الصحابہ سے بھی رسول اللہ ﷺ ظہر و عصر میں قرات کرنا ثابت ہے ★

1) عمر بن خطاب 2) علی بن ابو طالب 3) ابن عمر 4) ابن مسعود رضی اللہ عنہم۔

★★★

P: 291 ★ 17: باب القراءۃ فی صلاۃ المغرب ★

★ مسئلہ: مغرب میں مختصر قرائت افضل ہے یا طویل قرائت؟

★ مسالک ★

مذھب اول: [شوافع، ظاھریہ] :- طویل قرائت افضل ہے

مذھب ثانی: [جمہور] :- مختصر قرائت افضل ہے،

★ مفصلات ★

طوال المفصل :- سورۃ حجرات الی سورۃ بروج (فجر و ظہر)

اوساط مفصل :- سورۃ بروج الی سورۃ بینہ (عصر و عشا)

قصار مفصل :- سورۃ بینہ الی سورۃ ناس (مغرب)

★ دلیل مذھب اول ★

حدیث: 1317: ابن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے مغرب کی نماز میں سورۃ الطور پڑھتے ہوئے سنا۔

P: 63

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[P: 291 باب: 17]

★ رد علی المذہب الاول ★

1) ممکن ہے کہ پوری سورۃ طور نہیں پڑھی بلکہ صرف کچھ حصہ پڑھا ہو،
اور حدیث سے ثابت بھی ہے کہ سورۃ طور کا کچھ حصہ پڑھا۔ [1327]

★ جمہور کی دلیل ★

1) جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ مغرب کی نماز پڑھتے تھے (اور نماز کی پڑھتے
تھے اور بعد میں وہ تیر اندازی کرتے تھے۔ [1328]

★ اس سے معلوم چلتا ہے کہ مغرب کی نماز بہت مختصر پڑھتے تھے اور روشنی
ابھی تک باقی ہوتی تھی

2) یہاں تک کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختصر سورۃ
پڑھنے کا حکم دیا۔ جب وہ قرائت کو لمبا کر رہے تھے۔ [1335]

3) اور بھی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ مغرب میں مختصر قرائت پڑھنا
چاہیے۔ لیکن قصار مفصل ثابت نہیں ہوتا۔ [1340]

4) عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا اپنے عمال کو کہ مغرب کی نماز میں
قصار مفصل کی سورتیں پڑھی جائے۔ یہ کوئی قوی دلیل نہیں
ہے ہو سکتا ہے عمر رضی اللہ عنہ نے مصلحت کی وجہ سے حکم دیا ہو
حالانکہ رسول اللہ کا عمل طوال مفصل پڑھنے کا تھا۔
اور قصار مفصل پر عمل کرنا بھی بالکل صحیح ہے اس لئے کہ یہ
خلفاء الراشدین کی سنۃ ہے۔

★★★

★ 18: باب القراءۃ خلف الامام ★ P: 296

★ مسئلہ :- امام کے پیچھے مقتدی کا قرائت کرنے کا کیا حکم ہے؟

★ مسالک ★

1) مذہب اول [مالکیہ] :- فاتحہ پڑھنا سری نماز میں مستحب
اور جہری نماز میں قرائت بالکل درست نہیں ہے

2) مذہب ثانی [حنابلہ] :- سری نماز میں قرائت مستحب اور جہری نماز میں
امام کے وقفہ میں قرائت مستحب ہے۔

3) مذہب ثالث [شوافع] :- قول جدید :- جہری اور سری نماز میں قرائت واجب
قول قدیم :- سری نماز میں قرائت واجب اور جہری نماز میں جائز نہیں ہے

4) مذہب رابع [احناف] :- قرائت جہری اور سری میں مکروہ تحریمی ہے

★ دلیل من قال یُقرأ خلف الامام ★

1) عائشہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا کہ جس نماز میں فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے (1346)

2) عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کم از کم سورۃ فاتحہ تو پڑھ لیا کرنے کا حکم دیا ہے۔ (1345)

★ اس سے ثابت کرتے ہیں کہ امام کے پیچھے مقتدی قرائت کریں۔

★ رد علی من قال یُقرأ خلف الامام ★

عائشہ و ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کی حدیث میں 2 احتمال ہے۔

1) امام کے سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے کی وجہ مقتدی کی نماز ناقص ہوگی۔

2) منفرد کی نماز کے متعلق یہ حدیث بیان کی گئی ہے اور اس صورت میں بالاتفاق سب کے نزدیک منفرد کو قرائت کرنا لازم ہے۔

★ وجوہ ترجیح احتمال (2) کو ★

1) من کان له امام فقرائة الامام قراءة له: اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عائشہ (ابوہریرہ) رضی اللہ عنہما کی حدیث منفرد کے بارے میں ہے۔

2) ابو درداء رضی اللہ عنہ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سُنی اس مضمون کی، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرائت کو لازم کیا اور مقتدی اور منفرد کے درمیان فرق نہیں کیا لیکن اس کے باوجود ابو درداء رضی اللہ عنہ کا فتویٰ تھا کہ مقتدی پر قرائت لازم نہیں ہے۔

3) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز میں قرائت کرتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں کسی وجہ سے قرآن سے جھگڑا کر رہا ہوں، صحابہ کے پیچھے پڑھنے کی آواز کی وجہ سے۔ تو صحابہ نے قرائت کرنے سے روک گئے۔ (1353)

★ نظر طحاوی ★

★ یہ مسلّم ہے کہ مدرک الرکوع مدرک الرکعۃ ہوتا ہے۔ اس کے باوجود کہ اس نے قرائت نہیں کی۔ لہٰذا یہ دلیل ہے کہ قرائت فرض نہیں ہے۔ اس لئے کہ فرض ساقط نہیں ہوتا ضرورت کی وجہ سے جیسے کہ تکبیر تحریمہ جو کہ فرض ہے ساقط نہیں ہوتا ضرورت کی وجہ سے۔ ★

★ اشکال: ★ بعض روایۃ سے قرائت خلف الامام ثابت ہے۔

★ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عصر اور ظہر میں امام کے پیچھے قرائت کرتے تھے (1370)

جواب: دوسرے بہت سے صحابہ سے قرائت خلف الامام نہ کرنا بھی ثابت ہے۔

حدیث: 1372: - قال علی رضی اللہ عنہ من قرأ خلف الامام فلیس علی الفطرۃ۔

ابن مسعود، جابر بن عبداللہ، زید، ابن عمر، رضی اللہ عنہم اجمعین

★★★

P: 65

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

★19: باب الخفض فی الصلاۃ ھل فیہ تکبیر★

★ مسئلہ :- تکبیر تحریمہ کے علاوہ جھکتے وقت تکبیر کہنے کا کیا حکم ہے ،

★مسالک★

مذھب اول [عمر بن عبد العزیز، امام محمد بن سیرین رحمھما اللہ]:- جھکتے وقت تکبیر نہیں ہوگی ،
مذھب ثانی [جمہور]:- تکبیر ہوگی ،

★دلیل مذھب اول★

حدیث : 1384 : عن ابی عبد الرحمٰن بن ابزی عن ابیہ رضی اللہ عنہ : انہ صلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکان لا یتم التکبیر .

★ اس سے ثابت کرتے ہیں کہ جھکتے وقت تکبیر نہیں کہتے تھے اور اٹھتے وقت تکبیر کہتے تھے ،

★ دلیل جمہور★

حدیث : 1386 : عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال اَنَا رأیتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یُکبِّرُ فی کُلِّ وضع و رفع .

★ اور تواتر سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ہر اٹھنے اور جھکنے کے وقت تکبیر فرماتے تھے .

★نظر طحاوی★

★ تغیر الاحوال کی بعض صورتوں میں بالاتفاق تکبیر ہے تو باقی صورتوں میں بھی تکبیر ہوگی ،

★★★

P: 304

★20 : باب التکبیر للرکوع و للسجود والرفع من الرکوع : ھَلْ مع ذلک رفعٌ اَمْ لا ؟★

★ مسئلہ : رفع الیدین رکوع کرنے سے پہلے اور رکوع کے بعد کرنے کا کیا حکم ہے ،

★مسالک★

مذھب اول [شوافع احنابلہ]:- رفع الیدین میں فضیلت ہے (مسنون)
مذھب ثانی [احناف]:- مسنون نہیں ہے ، تحریمہ کے علاوہ میں رفع الیدین نہیں ہے
مذھب ثالث [مالکیہ]:- دونوں روایات ہے ،

★ قائلین رفع الیدین کے دلائل ★ مذہب اول

صحابہ کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رفع الیدین کرتے تھے رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد۔
علی، وائل بن حجر، ابن عمر، مالک، ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ۔

★ رد علی مذھب اول ★

حدیث: 1412 :- عن البراء ابن عازب رضی اللہ عنہ قال: کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا کبر لافتتاح الصلاۃ رفع یدیہ حتی یکون ابھاماہ قریبا من شحمتی اذنیہ ثم لا یعود۔

حدیث: 1419 :- علی رضی اللہ عنہ سے بھی ثابت ہے کہ آپ صرف تحریمہ کے وقت رفع الیدین کرتے تھے۔

حدیث: 1423 :- ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی ثابت ہے کہ انہوں نے صرف رفع یدین تکبیر تحریمہ کے وقت ہی کیا نہ کہ اس کا اعادہ۔

حدیث: 1431 :- عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ آپ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع الیدین کرتے تھے۔

★ خلاصہ: دونوں طرف اصح روایات ہیں مگر فصل اول کی احادیث شروع اسلام کی ہیں، شروع میں رفع الیدین کرتے تھے بعد میں نماز کو حرکات سے سکنات کی طرف لایا گیا تو اس میں رفع الیدین رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد کو بھی منسوخ کر دیا گیا۔

★ نظر طحاوی ★

علماء کا اتفاق ہے کہ تکبیر تحریمہ میں رفع الیدین کرنا ہوتا ہے، اور اور تکبیر بین السجدتین میں رفع الیدین نہیں کرنا ہوتا ہے تو اب دیکھیں گے کہ رکوع قبل اور رکوع کے بعد کی تکبیر کس سے زیادہ مشابہ ہے، جس کے مشابہ ہے اسکا حکم دیکھیں۔
یہ معلوم ہوتا ہے کہ تکبیر تحریمہ رکن ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی، برخلاف تکبیر بین السجدتین اس کو چھوڑنے سے نماز ہو جاتی ہے اور اسی طرح رکوع سے قبل وبعد کی تکبیر کو چھوڑنے سے نماز ہو جاتی ہے تو اسکا حکم بھی تکبیر بین السجدتین کا حکم ہوگا۔ اور دو سجدوں کے درمیان رفع الیدین نہیں ہوتا تو اس وجہ سے رکوع سے قبل وبعد بھی رفع الیدین نہیں کیا جائے گا۔

★★★

P: 67

بسم اللہ الرحمن الرحیم

★ 21: باب التطبیق فی الرکوع ★

★ تطبیق کے معنی رکوع میں دونوں ہاتھوں کو ملا کر باندھنا جیسے عام طور پر حالت القیام کرتے ہیں۔

★ مسئلہ: کیا تطبیق مسنون ہے یا نہیں؟

★ مسالک ★

مذہب اول [منسوب الی عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ]:- تطبیق مسنون ہے۔
مذہب ثانی [جمہور]:- تطبیق مسنون نہیں ہے بلکہ رکوع میں دونوں ہاتھوں کی انگلیاں کو قدرے کشادہ کر کے گھٹنوں پر رکھ دے جیسے کہ گھٹنوں کو پکڑ رہا ہے۔

★ دلیل مذہب اول ★

[1435] عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے [طَبَّقَ بیدیہ فجعلھما بین فخذیہ] اس طرح کر کے دکھایا اور فرمایا کہ اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔

★ جمہور کی دلیل ★

حدیث: 1438: صحابہ سے گھٹنوں کو پکڑنا ثابت ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ کا فتوی
[اُمِسُّوا فقد سُنَّت لکم الرُّکَبُ]
(مضبوطی سے پکڑو)

حدیث: 1443: فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :- استعینوا بالرکب] مدد طلب کرو۔
حدیث: 1446: سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ رکوع میں تطبیق کرتے تھے تو ان کو منع کیا گیا۔
★ تو گویا تطبیق پہلے کرتے تھے بعد میں منسوخ ہو گیا

★ نظر طحاوی ★

جب ہم نماز میں دوسری ھیات کو دیکھتے ہیں تو اس میں اعضاء کو الگ رکھنے کا حکم ہے جیسے کہ سجدہ کے وقت ہاتھ کو پہلو سے الگ رکھنے کا حکم ہے، تو اسی طرح رکوع میں بھی تفریق الاعضاء کا حکم ہونا چاہیے۔

★ ★ ★

P: 68

P: 315 ★22 باب مقدار الركوع والسجود الذی لا یجزئ اقل منہ ★

★ ★

★ مسئلہ: رکوع اور سجدہ کی فرض مقدار کیا ہے؟

★ مسالک ★

مذهب اول [امام احمد، اسحاق بن راهوه رحمہ اللہ، ظاهریہ]:- تین تسبیح کی مقدار فرض اور تین مرتبہ پڑھنا بھی فرض

مذهب ثانی [الجمهور]:- اطمنان سے کرنا فرض ہے۔ تسبیح مسنون ہے۔

★ دلیل مذهب اول

حدیث :1458: ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ جب کوئی ایک رکوع کرے تو تین مرتبہ تسبیح پڑھے۔ تو اسکا رکوع پورا ہوگیا اور وہ اس کی کم از کم مقدار ہے اس طرح سجدہ میں کم از کم (3) مرتبہ تسبیح کرنا ہے۔

★ جمہور کی دلیل ★

حدیث :1460: رفاعہ بن رافع اور ابوھریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو فرمایا کہ تم رکوع اور سجدہ اور جلسہ وغیرہ اطمنان سے کرو تو تمہاری نماز تم نے مکمل کردی۔ ساتھ ساتھ میں قیام اور تکبیر وقرات وغیرہ ذکر کرنا ہی ہے۔

★ تو اس سے معلوم چلتا ہے کہ اطمنان سے رکوع وسجدہ کرنا فرض ہے نا کہ تسبیح پڑھنا۔ اور اس روایۃ میں تفصیل ہے برخلاف فصل اول کی روایۃ۔

★ رد علی المذهب الاول ★

1) فریق مخالف کی روایۃ میں فضیلت بیان کی جارہی ہے۔ اور ہماری روایۃ میں فرض مقدار بیان کی جارہی ہے۔

2) آپ نے جو حدیث پیش کی ہے اس میں ایک راوی عون بن عبد اللہ ہے اور وہ روایۃ کررہے ہیں ابن مسعود سے مگر حقیقۃ اس میں یہ ہے کہ عون بن عبد اللہ کی کبھی ابن مسعود سے ملاقات ہوئی ہی نہیں تو آپ کی حدیث میں انقطاع پایا جارہا ہے۔

★★★

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

★ 23: باب ما ينبغي أَنْ يُقالَ في الركوع والسُّجود ★

★ مسئلہ: رکوع اور سجود میں کون سی تسبیح مسنون ہے؟

★ مسالک ★

مذہب اول [امام احمد رحمہ اللہ، ظاہریہ]: تسبیح فرض ہے اس کے بعد ذکر و دعا میں
مذہب ثانی [شوافع]: تسبیح فرض نہیں ہے جو چاہے وہ پڑھے، دعا، ذکر
مذہب ثالث [مالکیہ]: رکوع میں تسبیح سجدہ میں دعا
مذہب رابع [احناف]: فرائض میں معروف تسبیحات، نوافل میں جو چاہے پڑھے۔

★ دلیل مذہب اول و ثانی ★

حدیث: 1463 :- عن علی رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول وهو راکع اللهم لك ركعت وبك آمنت ولك أسلمت، انت ربي ـــــ
ويقول في سجوده: اللهم لك سجدت ولك اسلمتُ وانت ربي ـــــ۔
★ اس حدیث سے مذہب اول والے ثابت کرتے ہیں کہ فرض مقدار تسبیح کے بعد وہ دعا میں مشغول ہوسکتا ہے، اور مذہب ثانی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ تسبیحات فرض نہیں ہے شروع سے آخر تک رکوع و سجدہ میں دعا میں مشغول ہو جائے۔

★ دلیل مذہب الرابع ★

حدیث: 1480 :- عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ قال لمّا نزلت [فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ] قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اجعلوها في ركوعكم ولمّا نزلت [سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى] قال النبي صلی اللہ علیہ وسلم [اجعلوها في سجودكم]
حدیث: 1483 :- نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں سبحان ربک العظیم اور سجدہ میں سبحان ربک الاعلی پڑھتے تھے۔
★ اور صحابہ کا عمل بھی اسی پر رہا ہے۔

★ رد علی مذہب ثالث ★

مالکیہ فرماتے ہیں کہ سجدہ میں جو چاہے دعا کرے، تو ہم ان کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ دعا کرنا سبح اسم ربک الاعلی سے پہلے تھا جب یہ آیۃ نازل ہوئی تو دعا کا حکم منسوخ ہو گیا اب تسبیح ہی پڑھی جاتی ہے

P:70

★نظر طحاوی★

ہم نماز میں دیکھتے ہیں کہ بہت سے مقامات میں جہاں ذکر مشروع ہے، مثلاً تکبیر تحریمہ، تکبیر رکوع، تکبیر سجود وغیرہ، اور دعا کرنا صرف تشہد کے بعد مسنون ہے۔ تو علماء کا رکوع اور سجدہ میں ذکر اللہ کے پڑھنے پر اجماع ہے تو اسی کو دیکھا جائے گا۔

تو اصل قاعدہ یہ ہے کہ جو منصوص اذکار مذکور ہے ان کو تو پڑھا ہی جائے گا اگرچہ دوسری دعا کا پڑھنا بھی جائز ہے۔

★★★

(24)★باب: الامام یقول [سمع اللہ لمن حمدہ] ھل ینبغی لہ ان یقول بعدھا [ربنا ولک الحمد] ام لا

P:321

مسئلہ: امام اور مقتدی کے لئے تسمیع و تحمید کا کیا حکم ہے؟

★مسالک★

مذھب اول: [احناف / مالکیہ]: امام تسمیع اور مقتدی تحمید کرے گا۔

مذھب ثانی: [شافعیہ]: امام اور مقتدی تسمیع و تحمید کریں گے۔

مذھب ثالث: [صاحبین / حنابلہ / طحاوی]: امام تسمیع و تحمید اور مقتدی صرف تحمید کرے گا۔

★دلیل مذھب اول★

حدیث: 1488: عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ عنہ ... قال: علمنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصلاۃ قال ۔۔۔ واذا قال [الامام] سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا اللھم ربنا ولک الحمد۔

★رد علی مذھب اول★

آپ کی پیش کردہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک چیز امام کہے گا اور مقتدی دوسری چیز کہے گا لیکن اس میں نفی نہیں ہے کہ امام دونوں نہیں کہہ سکتا حالانکہ دوسری روایت سے امام کا دونوں چیز کہنا ثابت ہے۔

★دلیل مذھب ثالث★

حدیث: 1495: علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سمع اللہ کے ساتھ ربنا ولک الحمد کہنا بھی ثابت ہے۔

★نظر طحاوی★

★جب کوئی شخص اکیلے منفرد کی حالت میں نماز پڑھتا ہے تو وہ تسمیع و تحمید دونوں کرتا ہے تو یہاں امام بھی نماز کے احکام کے لحاظ سے بہت سے احکام میں منفرد کی طرح ہی تو یہاں بھی وہ دونوں چیز یعنی تسمیع و تحمید دونوں چیز پڑھے گا

★★★

P:71

بسم اللہ الرحمن الرحیم

P:325 (25)★ باب القنوت فی الصلاۃ الفجر وغیرھا★

مسئلہ: صلاۃ الفجر میں قنوت پڑھنے کا حکم کیا ہے؟

★مسالک★

(1)★ قائلین قنوت مطلقاً:
الشافعیہ :- دائماً بعد الرکوع
مالکیہ :- دائماً قبل الرکوع

{ عمر، علی، ابن عباس رضی اللہ عنھم }

★ قائلین قنوت عند النازلۃ:
احناف :- مصیبت کے وقت رکوع کے بعد قنوت پڑھا جائے
حنابلہ :- " " " ، ایک روایۃ: قبل الرکوع.

(2)★ امام طحاوی رحمہ اللہ:- بالکل غیر مشروع ہے، منسوخ ہے [ابو درداء، ابن عمر عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنھم]

★دلیل قائلین قنوت کی★

حضرت ابو ھریرہ، ابن عمر، عبد الرحمن بن ابو بکر، البراء بن عازب ابن مسعود، خفاف بن ایماء، انس رضی اللہ عنھم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں قنوت پڑھتے تھے۔ اور ان الگ نماز میں پڑھنا ثابت ہے اور بعض نماز میں بعد الرکوع اور بعض نماز میں قبل الرکوع پڑھنا ثابت ہے،

★رد علی قائلین قنوت★

ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ، ابن عمر، عبد الرحمن بن ابو بکر رضی اللہ عنھم سے مروی ہے کہ [لیس لک من الامر شیء] کی آیۃ کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قنوت پڑھنا چھوڑ دیا تھا، تو لہذا نسخ ثابت ہوگیا، [گویا کہ یہ امام طحاوی کی دلیل بھی ہوگئی]

★ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصیبت کے وقت، وقتی طور پر پڑھا بعد میں منسوخ ہوگیا،

★نظر طحاوی★

(1 جیسے کہ سری نمازوں میں قنوت نہیں ہے اسی طرح جہری نمازوں میں بھی قنوت نہیں ہونا چاہیے.

(2 صلاۃ الوتر میں قنوت ہے اور وہ دائمی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قنوت کا تعلق نماز سے ہوتا ہے نہ کہ حالات و مصائب سے

★★★

P: 71

بسم اللہ الرحمن الرحیم

P: 325 ★باب القنوت فی الصلاۃ الفجر وغیرھا★ (25)

مسئلہ: صلاۃ الفجر میں قنوت پڑھنے کا حکم کیا ہے؟

★مسالک★

(1)★ قائلین قنوت مطلقاً:

الشافعیہ :- دائماً بعد الرکوع

مالکیہ :- دائماً قبل الرکوع

{ عمر، علی، ابن عباس رضی اللہ عنھم }

★ قائلین قنوت عند النازلۃ:

احناف :- مصیبت کے وقت رکوع کے بعد قنوت پڑھا جائے

حنابلہ :- " " " ، ایک روایۃ: قبل الرکوع،

(2)★ امام طحاوی رحمہ اللہ :- بالکل غیر مشروع ہے، منسوخ ہے [ابو درداء، ابن عمر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنھم]

★دلیل قائلین قنوت کی★

حضرت ابو ھریرہ، ابن عمر، عبدالرحمن بن ابو بکر، البراء بن عازب ابن مسعود، خفاف بن ایماء، انس رضی اللہ عنھم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں قنوت پڑھتے تھے،
اور الگ الگ نماز میں پڑھنا ثابت ہے اور بعض نماز میں بعد الرکوع اور بعض نماز میں قبل الرکوع پڑھنا ثابت ہے،

★رد علی قائلین قنوت★

ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ، ابن عمر، عبدالرحمن بن ابو بکر رضی اللہ عنھم سے مروی ہے کہ [لیس لک من الامر شیٔ] کی آیۃ کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قنوت پڑھنا چھوڑ دیا تھا،
تو لہذا نسخ ثابت ہوگیا، [گویا کہ یہ امام طحاوی کی دلیل بھی ہوگئی]

★ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصیبت کے وقت وقتی طور پر پڑھا تھا بعد میں منسوخ ہوگیا،

★نظر طحاوی★

1) جیسے کہ سری نمازوں میں قنوت نہیں ہے اسی طرح جہری نمازوں میں بھی قنوت نہیں ہونا چاہیے.

2) صلاۃ الوتر میں قنوت ہے اور وہ دائمی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قنوت کا تعلق نماز سے ہوتا ہے نہ کہ حالات و مصائب سے

★★★

FIVE STAR.

P: 72

بسم اللہ الرحمن الرحیم

26 ★ باب: ما یبدأ بوضعه فی السجود: الیدین او الرکبتین ★ P.340

مسئلہ:- نماز کے اندر سات (7) اعضاء پر سجدہ کیا جاتا ہے، قدمین، یدین، رکبتین اور جبہہ، ان میں سے پہلے قدمین تو زمین سے لگے ہوئے ہوتے ہیں، اب رہ جاتے ہیں پانچ (5) اعضاء ان میں سے پیشانی کے سب سے آخر میں رکھے جانے میں سب کا اتفاق ہے اختلاف یدین اور رکبتین کے رکھنے میں ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت یدین کو پہلے رکھے جائے یا رکبتین کو۔

★ مسالک

1) مذھب اول [مالکیہ، حنابلہ فی روایۃ]: یدین پہلے رکھنا زیادہ افضل ہے

2) مذھب ثانی [جمہور]:- رکبتین رکھنا پہلے زیادہ افضل ہے۔

★ فریق مخالف [مالکیہ] کی دلیل ★

1) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنھما: [انہ کان اذا سجد بدأ بوضع یدیہ قبل رکبتیہ وکان یقول کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصنع ذلک] حدیث: 1583

2) حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ:- [قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سجد احدکم فلا یبرک کما یبرک البعیر ولکن یضع یدیہ ثم رکبتیہ] حدیث: 1585

★ مالکیہ پر اشکال ★

حدیث کے دو حصہ ہیں ① [لا یبرک کما یبرک البعیر] اور دوسرا ② حصہ [ولکن یضع یدیہ قبل رکبتیہ] اور ان دونوں حصوں میں تعارض ہے اس لئے کہ پہلا حصہ میں حکم دیا کہ بعیر [اونٹ] کی طرح نہ بیٹھو اور اونٹ پہلے بیٹھتے وقت اپنے ہاتھوں کو رکھتا ہے اور پھر اپنے پاؤں کو، تو پہلے حصہ میں کہا جا رہا ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت پہلے گھٹنوں کو رکھو اور دوسرے حصہ میں کہا جا رہا ہے کہ پہلے ہاتھ رکھو اور پھر گھٹنے پھر ہاتھ [تو اس لحاظ سے تعارض پایا جا رہا ہے]

★ ایک چیز سے منع کیا جا رہا ہے اور اسی چیز کے کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔

جواب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اونٹ اور دیگر چوپائی میں گھٹنے ہاتھ میں ہوتے ہیں اور انسانوں میں گھٹنے پیروں میں ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ تم اونٹ کے بیٹھنے کی طرح نہیں بیٹھو۔ یعنی جس طرح اونٹ پہلے اپنے گھٹنے رکھتا ہے تو اپنے

P:73

گھٹنے پہلے مت رکھو، بلکہ پہلے اپنے ہاتھوں کو رکھو اس کے بعد گھٹنے رکھو۔ تو اب کوئی اشکال باقی نہیں رہیگا۔

★ جمہور کی دلیل ★

★ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ: [أن النبي صلى الله عليه وسلم كان اذا سجد بدأ بركبتيه قبل يديه] حدیث: 1586

اب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث میں تعارض واقع ہو رہا ہے، کیونکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے دونوں طرح منقول ہے۔ تو تعارض کے وقت ہم کو ایک روایۃ کو ترجیح دینی ہوگی تو ترجیح دینے کے لئے ہم وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایۃ کو استعمال کرتے ہیں جو ہمارے مسلک کے موافق ہے۔ جو کہ یہ ہے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا سجد بدأ بوضع ركبتيه قبل يديه] حدیث: 1588

★ نظر طحاوی ★

★ سجدہ (7) اعضاء پر کیا جاتا ہے۔ اور جب ہم نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ جب سجدہ کے لئے نیچے جاتے ہیں تو سب سے آخر میں سر رکھتے ہیں، اور جب سجدہ سے اٹھتے ہیں تو سر کو پہلے اٹھاتے ہیں، اور پھر ہاتھ اور پھر گھٹنے کو اس پر سب کا اتفاق ہے۔ تو اس کے برعکس صورت میں جب نیچے سجدہ کے لئے جاتے ہیں تو ترتیب بھی برعکس ہی ہونی چاہئے یعنی پہلے گھٹنے رکھے جائے، بعد میں ہاتھ اور پھر پیشانی۔

★ صحابہ کی بھی ایک جماعت سے ثابت ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت پہلے گھٹنے رکھے جائے بعد میں ہاتھ،

1) حضرت عمر رضی اللہ عنہ
2) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ

★★★

★ باب 27: وضع اليدين في السجود اين ينبغي ان يكون؟ ★ P.344

★ ★

مسئلہ:- سجدہ کی حالت میں ہاتھ کو کہاں رکھنا افضل ہے؟

★ مسالک ★

مذہب اول [شوافع احنابلہ]:- کندھوں کے برابر رکھنا مسنون ہے۔
مذہب ثانی [احناف]:- کانوں کے برابر رکھنا مسنون ہے۔

P: 74

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[باب : P:344/27]

★شوافع وحنابلہ کی دلیل★

ابو حمید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تھے تو اپنی ہتھیلی کو کندھوں کے برابر رکھتے تھے۔
(حدیث: 1602)

★احناف کی دلیل★

1) وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تھے تو اپنے ہاتھوں کو کانوں کے برابر رکھتے تھے۔ (حدیث: 1603)

2) امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو اختلاف اس مسئلہ میں ہے وہ وہی اختلاف ہے جو تکبیر تحریمہ کے وقت رفع الیدین کے سلسلہ میں ہے یعنی اس مسئلہ میں شوافع، اور حنابلہ نے فرمایا کہ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو کندھوں کو اٹھایا جائے گا، اور احناف نے فرمایا کہ ہاتھ کانوں تک اٹھائے جائیں گے، لہٰذا اس مسئلہ میں بھی یہی اختلاف ہے، اور تکبیر تحریمہ کے سلسلہ میں ہم نے کہا کہ اصل تو ہاتھ کو اٹھانا کانوں تک ہی ہے ضرورۃ کندھوں تک اٹھانے کی اجازت ہے، جب کہ چادر shawl پہنے ہوئے ہو اس صورۃ میں کانوں تک ہاتھ اٹھانا مشکل ہوتا ہے، تو اسی طرح اس مسئلہ میں بھی اصل تو کانوں کے برابر سجدہ کی حالت میں ہاتھ رکھنا ہے اور ضرورۃ کے وقت کندھوں کے برابر رکھنے کی اجازت ہے۔

★★★

P:345 ★ باب 28: صفۃ الجلوس فی الصلاۃ کیف ہو؟ ★(1)

مسئلہ :- نماز میں قعدۃ اولیٰ اور قعدۃ الاخیرہ میں کس طرح بیٹھنا چاہیے؟

★مسالک★

1) مذہب اول [مالکیہ] :- ہر قعدہ میں تورک کرنا افضل ہے،
2) مذہب ثانی [شوافع/حنابلہ] :- قعدۃ الاولیٰ: افتراش اور قبل السلام: تورک
3) مذہب ثالث [احناف] :- ہر حالت میں افتراش افضل

★مالکیہ کی دلیل★

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایۃ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹے عبد اللہ بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ نماز میں تشہد کے وقت حالت تربع [چار زانو] بیٹھے ہوئے تھے تو پھر میں بھی اسی طرح بیٹھا اور عمر میں [illegible] والا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھے منع کیا اس کے بعد میں نے سوال کیا آپ کیوں اس طرح کرتے ہو؟

P: 75

[انما سنة الصلاة]

تو انہوں نے فرمایا کہ میرے دونوں پاؤں مجھے اُٹھا نہیں سکتے اور اصل طریقہ بیٹھنے کا بیان فرمایا کہ نماز کی سنت تو [ان تنصب رجلك اليمنى وتثني اليسرى] دائیں پیر کو کھڑا رکھا جائے اور بائیں پیر کو لیٹا دیا جائے اور وہ تورک کی حالت ہے، لہٰذا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے تورک کرنا ثابت ہے [حدیث: 1608]

★ مالکیہ کے مذہب پر اشکال ★

1) انما سنة الصلاة: لفظ سنة سے یہ مراد لینا ضروری نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل تھا بلکہ ان کی رائے بھی ہو سکتی ہے یا خلفاء الراشدین کی سنۃ

2) ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فرمانا کہ میرے دونوں پاؤں مجھے اُٹھا نہیں سکتے سے مراد ہے اگر میرے پاؤں میں طاقت ہوتی تو میں دونوں پاؤں کو استعمال کرتا اور دونوں پاؤں استعمال کرنے کی صورت افتراش ہے۔

★ شوافع اور حنابلہ کی دلیل ★

حضرت ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی روایۃ: ابو حمید رضی اللہ عنہ نے صحابہ کی جماعت کے سامنے فرمایا [انا اعلم بصلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم] اور پھر فرمایا کہ قعدہ اولیٰ میں افتراش کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم قعدہ اخیرہ میں تورک کرتے تھے اور صحابہ نے فرمایا کہ [صَدَقْتَ] (حدیث: 1609)

★ شوافع اور حنابلہ کی دلیل پر اشکال ★

ابو حمید رضی اللہ عنہ کی روایۃ وہ انتہائی ضعیف ہے لہٰذا قابل استدلال نہیں ہے۔

★ احناف کی دلیل ★

★ حضرت وائل بن حجر الحضرمی رضی اللہ عنہ کی روایۃ - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قعدہ اول اور آخرہ میں افتراش کی حالت میں بیٹھتے تھے۔ (1614)

★ مزید تفصیل کے لئے کتاب میں رجوع کرو۔

★ نظر طحاوی ★

نماز میں مختلف قعدہ ہیں ان میں سے جلسہ بین السجدتین ہے اور وہ سب کے نزدیک فرض ہے، اور قعدہ اولیٰ ہے وہ سب کے نزدیک واجب ہے۔ اب ہم دیکھیں گے کہ قعدہ اخیرہ کس کے زیادہ مناسب ہے اور اس کا حکم لگائیں، قعدہ اخیرہ سب کے نزدیک فرض ہے، جیسے کہ جلسہ بین السجدتین ہے لہٰذا جو بیٹھنے کی حالت اس میں ہے قعدہ اخیرہ میں ہوگی۔ اور اس میں بالاتفاق افتراش ہے لہٰذا قعدہ آخرہ میں بھی افتراش ہوگا...

★★★

P: 76

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

P: 350 ★ باب التشہد فی الصلاۃ: کیف ھو؟ ★ 28 (2)

مسئلہ:- الفاظ تشہد کیا ہے - یہ اختلاف افضلیت کا ہے.

★مسالک★

مذہب اول [مالکیہ]:- عمر رضی اللہ عنہ کا تشہد

مذہب ثانی [شوافع]:- عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا تشہد

مذہب ثالث [احناف]:- عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا تشہد

★مالکیہ کی دلیل★

عن عبد الرحمٰن بن عبد القاری: انہ سمع عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ یُعَلِّمُ الناس التشہد علی المنبر وھو یقول، قولوا: التحیات للہ، الزاکیات للہ، الصلوۃ للہ، السلام علیک ----

لہذا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا تشہد مسنون ہے اور انہوں (عمر رضی اللہ عنہ) نے صحابہ کی جماعت کے سامنے کیا اور اس پر کسی نے نکیر نہیں کی تو اس پر اتفاق ہے جو کہ مالکیہ کی دلیل ہوئی۔

★اشکال مالکیہ پر★

1) عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اسکے خلاف بھی منقول ہے۔ ان سے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تشہد بھی منقول ہے جو کہ زائد الفاظ کے ساتھ ہے۔

2) دوسرے صحابہ سے بھی اسکے خلاف منقول ہے۔

1) ابو سعید الخدری 2) جابر بن عبد اللہ 3) ابو موسیٰ 4) عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم

خلاصہ یہ ہے کہ مذہب اول مالکیہ کا یہ کہنا کہ ان کے بیان کردہ تشہد پر سب کا اتفاق ہے یہ دعویٰ غلط ہے، اگر اتفاق ہوتا تو اختلاف نہ ہوتا

★شوافع کی دلیل★

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یُعَلِّمُنَا التشہد کما یُعَلِّمُنَا القرآن یقول [التحیات المبارکات الصلوات الطیبات للہ السلام ----

★احناف کی دلیل★

مرفوع احادیث سے ثابت ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تشہد سکھایا جو معروف ہے، التحیات و الصلوات والطیبات السلام علیک ----

★شوافع کا اشکال احناف کے مسلک پر★

تشہد ابن عباس رضی اللہ عنہما راجح ہے تشہد ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کیوں کہ ان کے یعنی شوافع کے تشہد میں زیادہ الفاظ ہے اور الزائد اولیٰ من الناقص۔

★ احناف کی طرف سے جواب ★

1) تمہارا اس فائدہ کو ہر جگہ جاری کرنا غلط ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ اس قاعدہ کا مطلب یہ ہے کہ ہم ہر دفعہ اضافی کلام کو لے لیں اور وہ کلام جس میں کم الفاظ ہوں اس کو چھوڑ دے لیں حالانکہ راوی کا بھی اعتبار کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اگر ایک ضعیف راوی حدیث بیان کرے اضافی کلام کے ساتھ اور ایک قوی راوی اس حدیث کو بیان کر رہا ہے۔ بغیر اضافی کلام کے ساتھ، تو ہم قوی اور ثقہ راوی کی حدیث لے لیں اور ہم ہر دفعہ اضافی کلام کو راجح نہیں کہیں گے اور ناقص کلام کو مرجوح۔ اور جو رواۃ ہے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تشہد کی روایۃ میں ہے وہ زیادہ قوی ہے۔

2) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے زیادہ اہتمام کیا لوگوں کو تشہد سکھانے میں۔ اگر کوئی حرف کی بھی غلطی کرتا تو اس کو صحیح کرتے تھے۔ لیکن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا تشہد اس لیے کہ انہوں نے لوگوں کو تشہد سکھایا منبر پر۔ اور اس میں ممکن ہے کہ سامع نے غلطی سے کچھ اور سن لیا ہو اور سامع کو موقع بھی نہیں ملا کہ استاد سے پڑھ کر سنائے، تاکہ استاد دیکھے کہ اگر صحیح بھی پڑھ رہا ہے، یا نہیں۔ (مالکیہ کو جواب)

3) دوسرے صحابہ سے بھی تشہد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ منقول ہے۔

★ شوافع کو الزامی جواب ★

1) اگر الزائد اولیٰ من الناقص کا قاعدہ ہر جگہ جاری کیا جائے تو تم عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے تشہد پر عمل کیوں نہیں کرتے کیونکہ اس میں اضافی کلام ہے۔

2) اگر ہم تسلیم بھی کرے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے تشہد کے رواۃ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایۃ کے رواۃ برابر ہے، پھر بھی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تشہد راجح ہوگا ان کے دلائل کی وجہ سے جو ہم نے اوپر ذکر کئے۔

★★★

P: 356

★ (29) باب السلام فی الصلاۃ کیف ھو ★

مسئلہ:- سلام کی تعداد اور کیفیت کیا ہے۔

★ مسالک ★

مذھب اول [مالکیہ] :- (1) امام اور منفرد صرف ایک سلام سامنے ہی منہ رکھ کے۔

مذھب ثانی [جمہور] :- (2) سلام

(2) مقتدی پر 3 سلام لازم ہے، ایک دائیں طرف ایک بائیں طرف اور ایک سامنے

P:78

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[باب : 29]

★ مالکیہ کی دلیل ★

حدیث : 1660 :- عن سعد رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یُسَلِّمُ فی آخر الصلاۃ تسلیمۃ واحدۃ [السلام علیکم]

★ مالکیہ ~~کی~~ رد ★

1) آپ کی بیان کردہ حدیث کی سند میں محمد الدراوردی ایک راوی ہے جو اپنے استاد مصعب بن ثابت سے نقل کرتے ہیں۔ اور صرف یہی ایک مصعب بن ثابت کے شاگرد اس طرح کی روایۃ نقل کرتے ہے بر خلاف دوسرے شاگردوں کے۔ دوسرے شاگرد جو نقل کرتے ہیں وہ جمہور کے مسلک کے موافق ہے۔

2) آپ کی دلیل ایک سلام پر مصعب بن ثابت کی طرف سے ثابت ہے۔ مگر ان کے استاد اسماعیل بن محمد نے طرف سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں اور بائیں جانب سلام کیا۔

تو آپ کی بیان کردہ دلیل مضبوط نہیں ہے۔

★ جمہور کی دلیل ★

★ ابو موسی، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلام کرتے وقت اپنے چہرے کو دائیں بائیں جانب پھیرتے تھے۔

★ اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کرنا ثابت ہے۔

★ ہمارا مسلک تواتر سے ثابت ہے

★ مالکیہ کی طرف سے دوسری دلیل ★

عائشہ رضی اللہ عنہا نے مرفوعا نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک سلام کیا تھا (حدیث : 1694)

★ جمہور کی طرف سے مالکیہ پر اشکال ★

★ مالکیہ نے جو حدیث نقل کی ہے وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ وہ اصل میں عائشہ رضی اللہ عنہا کا فعل ہے۔ موقوف روایۃ ہے نہ کہ مرفوع۔ کیوں کہ اس حدیث میں ایک راوی عمرو بن سلمہ ہے جو روایۃ کو ضعیف بناتے ہیں۔

★ مالکیہ کی طرف سے جواب ★

★ عائشہ رضی اللہ عنہا کا فعل بھی دلیل ہے۔

★ جمہور کی طرف سے رد ★

1) ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے اس کے خلاف منقول ہے اور دوسرے صحابہ حضرات سے جیسے کہ علی و ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے بھی ہمارا مسلک کی تائید ہوتی ہے۔ اور یہ حضرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قرب حاصل کرنے والے تھے اور افعال کو یاد رکھنے والے تھے

P:79

* مالکیہ کی طرف سے جمہور پر اشکال *

ہم تسلیم نہیں کرتے کہ علی و ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے دو سلام کیا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ جس طریق سے علی و ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایۃ منقول ہے اس میں ایک راوی ابو وائل ہے۔ جن کا دوسرا نام شقیق ہے۔ اور دوسرے طریق جس جس میں شقیق سے روایۃ نقل کی گئی ہے۔ اسی میں ان سے پوچھا گیا کہ کیا علی رضی اللہ عنہ نے دو سلام کیے تھے، تو شقیق نے کہا کہ علی رضی اللہ عنہ نے ایک سلام کیا تھا۔

* جمہور کی طرف سے جواب *

وہ ایک سلام کی روایۃ میں صلاۃ الجنازۃ کے متعلق تھی۔ اور اس روایۃ میں بھی ابہام ہے کہ کونسی نماز ہے۔

* اشکال مقرر *

دوسرے حضرات سے بھی ایک سلام کرنا ثابت ہے۔ (تابعی حضرات)
1) عمر بن عبد العزیز 2) الحسن البصری 3) محمد بن سیرین

* جمہور کی طرف سے جواب *

دوسرے تابعین سے جن کا درجہ زیادہ بڑا ہے۔ اسکے خلاف یعنی ہمارے مسلک کے مطابق منقول ہے۔ 1) سعید بن مسیب 2) ابن ابی لیلی۔

★★★

P:363

30 * باب السلام فی الصلاۃ: ھل ھو من فروضھا أو من سننھا؟ *

مسئلہ:- (1) نماز میں سلام کا حکم کیا ہے؟ (2) قعدہ اخیرہ کا کیا حکم ہے۔

* مسالک *

مذہب اول [احناف]:- سلام واجب ہے۔ قعدہ اخیرہ رکن ہے
مذہب ثانی [مالکیہ]:- سلام رکن ہے۔ " " " نہیں ہے
مذہب ثالث [شوافع، حنابلہ]:- دونوں رکن ہے
مذہب رابع [امام طحاوی]:- " " نہیں ہے۔

* خلاصہ *

لہذا ائمہ ثلاثہ رحمہ اللہ کے نزدیک تسلیم رکن ہے اور احناف و امام طحاوی کے نزدیک تسلیم رکن نہیں ہے۔

* ائمہ ثلاثہ کی دلیل *

حدیث: عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مفتاح الصلاۃ الطھور، واحرامھا التکبیر واحلالھا التسلیم۔ اس حدیث کی بنیاد پر ائمہ ثلاثہ استدلال کرتے ہیں کہ بغیر سلام کے نماز سے باہر نہیں نکل سکتے، تو سلام کرنا رکن ہے

P:80

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[P: 363/3: باب]

★ احناف اور امام طحاوی رحمہ اللہ کی دلیل ★

[تحلیلها التسلیم] والی روایۃ علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے لیکن اس کے باوجود علی رضی اللہ عنہ نے وہ معنی مراد نہیں لیا جو ائمہ ثلاثہ نے لیا ہے۔

★ مالکیہ کی طرف سے قعدہ اخیرہ کا رکن ہونے پر دلیل ★

★ حدیث: 1728: عن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رفع رأسہ من آخر السجود فقد مضت صلاتہ [مکمل ہوئی] اذا ھو احدث۔

★ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے اس طرح کی مختلف روایات مروی ہے۔ اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری السجود سے نماز مکمل ہو جاتی ہے اور دوسری روایت میں بھی عقود راسہ ابہام ہے واضح نہیں ہے واضح نہیں ہے کہ مقدار التشہد لازم ہے یا نہیں اور تیسری روایت سے واضح ہوتا ہے کہ مقدار التشہد لازم ہے جو کہ احناف کا مستدل ہوا۔

★ احناف کی طرف سے قعدہ اخیرہ کے رکن نہ ہونے پر دلیل ★

1) حدیث: 1724: عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا رفع المصلی رأسہ من آخر صلاتہ وقضی تشہدہ ثم احدث فقد تمت صلاتہ فلا یعود لھا۔

2) اقوال الصحابہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تشہد کی مقدار لازم ہے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا [التشہد انقضاء الصلاۃ [تشہد: نماز کا اختتام ہے] والتسلیم اذن بانقضائہ۔ سلام: نماز کے ختم پر اعلان کرنا ہے۔

3) اقوال التابعین جیسے کہ حسن البصری، عطاء بن رباح: تشہد کی مقدار لازم۔

نوٹ: اس سے ثابت کرتے ہیں کہ تشہد کی مقدار لازم نہ کہ قعدہ اخیرہ

★ مالکیہ کی تائید میں نظر طحاوی ★

سب کا اتفاق ہے کہ قعدہ اولیٰ فرض نہیں ہے۔ لہذا قعدہ اخیرہ کا حکم بھی وہی ہونا چاہیے جیسے کہ نماز میں سجدہ ہوتا ہے۔ ان تمام سجدوں کا حکم ایک ہوتا ہے لہذا ادھر بھی یہی حکم ہوگا۔ قعدہ اخیرہ فرض نہیں ہے۔

★ احناف کی تائید میں نظر طحاوی ★

★ پہلی نظر جو مالکیہ کی طرف سے ہے وہ باطل ہے۔ اس لئے کہ اگر کوئی ناسیاً قعدہ اولیٰ میں اٹھ جائے اور قیام کے قریب ہو تو اس کو حکم دیا جاتا ہے کہ قیام میں رہے اور اگر کوئی شخص اٹھ جاتا ہے قعدہ اخیرہ میں اور قیام کے قریب بھی ہو، تو اس کو حکم دیا جاتا ہے کہ جا کر بیٹھ جائے لہذا قعدہ اخیرہ زیادہ قوی ہے اور فرض ہے پہلے کے مقابلے میں۔

★ احناف کی دلیل کا جواب ★

مسئلہ صحیح بیان کیا لیکن استدلال غلط ہے اس لئے کہ جب قعدہ اولیٰ سے اُٹھتا ہے تو وہ دوسرے فرض میں داخل ہوتا ہے۔ جو کہ قیام ہے، اس لئے اس کو لوٹنے کا حکم نہیں دیا جائے گا، لیکن جب قعدہ اخیرہ میں بیٹھنے کے بجائے اُٹھ جاتا ہے، تو فرض کے لئے نہیں کھڑا ہو رہا ہے، بلکہ زائد رکعت کے لئے وہ کھڑا ہو رہا ہے، اس کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ قعدہ کی طرف لوٹ جائے۔ اور یہ بات دلالت نہیں کرتی کہ قعدہ اخیرہ فرض ہے یا سنت۔ بلکہ مالکیہ کے نزدیک جب آدمی اپنا سر اُٹھاتا ہے آخری سجدہ سے تو اسکی نماز ختم ہو جاتی ہے۔ اور ان کے نزدیک حدیث کا معنی ہے، تحلیل کا طریقہ جس سے انسان کو حلال ہوتا ہے وہ سلام ہے،

★ احناف و امام طحاوی کے مسلک پر اشکال ★

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان [تحریمها التکبیر] سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز میں داخل ہونے کا طریقہ ہے تکبیر تحریمہ لازم ہوتی ہے، تو اسی طرح [تحلیلها التسلیم] کا معنی بھی ہونا چاہئے، کہ نماز سے حلال ہونے کا طریقہ جو لازم ہے وہ سلام ہے۔ لہذا داخل اور خارج ہونے کا حکم ایک اور وہ لازمی ہونا چاہئے۔

★ امام طحاوی کی طرف سے جواب ★

یہ ضروری نہیں ہے کہ داخل اور خارج ہونے کا حکم ایک ہو اس وجہ سے کہ بہت سی چیزیں جس میں داخل ہونے کے لئے مخصوص شرائط و طریقہ ہوتے ہیں، لیکن نکلنے کے لئے وہ شرائط نہیں ہوتے۔ مثلاً نکاح میں داخل ہونے کا طریقہ میں مخصوص شرائط ہے لیکن نکاح سے نکلنے کا طریقہ طلاق کا ذریعہ سے ہوتا ہے وہ طلاق بغیر جماع کے بھی دے سکتا ہے، یا یا طلاق حالت الحیض میں بھی۔ لیکن اچھا طریقہ ہے کہ ایک طہر میں ایک طلاق دے۔ تو نماز میں کچھ اسی طرح ہے کہ ایک طریقہ تکبیر سے داخل ہو سکتے ہیں، اور باہر نکلنے کے انیک اچھے طریقے ہے مگر اچھا طریقہ یہ ہے کہ سلام سے نکلا جائے۔ لازمی چیز نہیں ہے،

★★★★★

P: 82

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

P: 369 ★ باب الوتر ★ (باب: 31)

مسئلہ :- وتر کا طریقہ کیا ہے۔

★ مسالک ★

مذہب اول [شافعیہ] :- 1، 3، 5 رکعت جو چاہے پڑھے درست ہے، ایک سلام ہو یا زیادہ

مذہب ثانی [مالکیہ] :- 3 رکعت دو سلام

مذہب ثالث [احناف] :- 3 رکعت ایک سلام

★ حنابلہ کی مختلف روایات ہے جو شوافع کے مطابق ہے

★ شوافع کی دلیل ★

حدیث: 1733 :- عن ابن عمر رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: الوتر رکعۃ من آخر اللیل]

★ اس حدیث میں 2 احتمال ہے،

1) وتر ایک رکعت ہے،

2) وتر ایک رکعت ہے، اور اس سے پہلے شفع ہے۔

★ احتمال ثانی کی وجوہ ترجیح

1) عن ابن عمر رضی اللہ عنہ ان رجلا سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن صلاۃ اللیل فقال [مثنی مثنی فاذا خشیت الصبح فصلِّ رکعۃ توتر لک صلاتک]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وتر کی ایک رکعت سے پہلے شفع (دو رکعت) پڑھا جائے،

2) ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول کہ وتر 3 رکعت ہے لہٰذا یہ دلالت کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان تاویل کا احتمال رکھتا ہے،

اس وجہ سے کہ جب ان سے وتر کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ [أتعرف وتر النہار] 1751 یعنی انکا مطلب تھا کہ وتر اللیل وتر النہار کی طرح ہے یعنی جس طرح مغرب 3 رکعت پڑھی جاتی ہے اسی طرح وتر بھی 3 رکعت پڑھی جاتی ہے۔

★ احناف کی دلیل وجوہ ترجیح کے ساتھ ★

1) وتر کی روایات میں بہت نسخ واقع ہوا ہے، تو جب بھی وتر کی روایت دیکھی جائے تو قوی احتمال ہے کہ وہ طریقہ وتر کا منسوخ ہو گا۔

2) عائشہ رضی اللہ عنہا کی تفصیلی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وتر 3 رکعت ہے۔ اور دوسرے صحابہ سے بھی اسی طرح ثابت ہوتا ہے اور یہ دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و فعل آخر کے 3 رکعت ہونے پر تھا۔

FIVE STAR

3) بعض روایات میں آتا ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یُوتِرُ بخمسٍ یا بِسَبعٍ تو اُدھر ضروری ہے کہ فقہاء کی لغت دیکھی جائے گی، اور بعض دفعہ فقہاء نفل وتر کو قیام اللیل کے لئے استعمال کرتے تھے، تو معلوم یہ ہوا کہ قیام اللیل اور وتر شامل ایک ساتھ ہوتا ہے [ایک کا نام دیا جاتا ہے] تسمیۃ الکل باسم الجزء >

4) جو روایات وتر کا ایک رکعت ہونے کے متعلق آئی ہے وہ سب وتر کے 3 رکعت ہونے کا احتمال رکھتی ہے

5) نظر طحاوی :- وتر (ع) حال سے خالی نہیں ہے، یا تو فرائض میں سے ہوگی، یا سنن و واجب کی قبیل سے ہوگی، اگر وتر فرائض کی قبیل سے ہے تو دوسرے فرض نماز کی طرح ہونی چاہئے، یعنی: 2، 3، یا 4 رکعت، اور بالاتفاق 2، 4 رکعت تو وتر کی نماز نہیں ہے، لہٰذا 3 رکعت ہی متعین ہوگی، اور اگر وتر نفل کی قبیل سے ہے تو ہم تمام سنن پر غور کرکے دیکھتے ہیں کہ ان کا کچھ اصل فرائض میں ہوتا ہے، اور فرائض کل (3) قسموں پر ہے [(2)، (3)، (4) رکعت] اور وتر کا 2، 4 رکعت نہ ہونا ثابت ہو گیا، تو صرف 3 کل شیر باقی رہ گیا لہٰذا وتر 3 رکعت متعین ہوگی۔

★

مسئلہ :- جب ثابت ہو گیا کہ وتر 3 رکعت ہے تو پھر سلام کا کیا حکم ہے پہلی دو رکعت اور آخری ا رکعت کے درمیان ؟

1) نظر طحاوی :- دوسری صلوات میں سب کا اجماع ہے کہ سلام قاطع الصلاۃ ہے تو وتر میں بھی سلام قاطع الصلاۃ ہوگا، اور اگر نماز کے درمیان کیا جائے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

---

2) حضرات فقہاء اور اکابر علماء کا اجماع ہے کہ وتر 3 رکعت ہے بغیر تسلیم [1843]

★★★

P. 84

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

P: 392 ★32: باب القرائت فی رکعتی الفجر★

مسئلہ: فجر کی سنۃ میں قرائت ہے یا نہیں؟

★مسالک★

مذہب اول [ظاہریہ]:- لا یقرأ مطلقا (کوئی قرائت نہیں)

مذہب ثانی [مالکیہ بعض شوافع]:- یقرأ فیہما بفاتحۃ الکتاب خاصۃ

مذہب ثالث [جمہور]:- یقرأ فیہما بفاتحۃ الکتاب والسورۃ.

★ظاہریہ کی دلیل★

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا سکت المؤذن من الاذان لصلاۃ الصبح صلی رکعتین خفیفتین قبل ان تقام الصلاۃ (1845)

اس حدیث سے ظاہریہ ثابت کرتے کہ فجر کی سنۃ میں کوئی قرائت نہیں ہے، ہم کہتے کہ اس حدیث میں صراحۃ نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرائت نہیں کی۔

★مالکیہ کی دلیل★

عن عائشہ رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا طلع الفجر صلی رکعتین خفیفتین اقول یقرأ فیہما بفاتحۃ الکتاب (1851)

★ظاہریہ و مالکیہ کے مذہب پر جمہور کی طرف سے استدلال★

عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک طرق جو عمرۃ سے ہے، اس میں عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا [ھل قرأ فیہما بام الکتاب] 1848 اور دوسرے طرق میں جو کہ شعبہ سے ہے اس میں ہے کہ [یقرأ فیہما بام الکتاب] 1851 تو ان دو روایات کو دیکھتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ ایک روایت میں سنۃ فجر میں قرائت کا اثبات ہو رہا ہے اور دوسری میں نفی تو ممکن ہے کہ وہ روایت جس میں [ھل] کا ذکر ہے وہ تعجب کے بناء پر عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا مختصر ہونے کے بناء پر نکہ سورۃ فاتحہ کی نفی کے لئے۔ اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی سنۃ میں تلاوت فرمائی سورۃ فاتحہ اور سورۃ کی۔

★جمہور کی دلیل★

1) عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ فاتحہ اور سورۃ کافرون و اخلاص کی تلاوت فرماتے تھے۔ 1852

2) صحابہ کی جماعت سے بھی رسول اللہ کا فجر کی سنۃ میں قرائت کرنے کے بارے میں احادیث مروی ہے، 1) ابن عمر. 2) ابن عباس. 3) انس بن مالک وغیرہ.

3) اخلاص و کافرون کے علاوہ دوسری سورتوں کی بھی تلاوت فرماتے تھے۔

P:85

مسئلہ 2:- کیا فجر کی سنۃ میں اختصار افضل ہے یا طول القیام؟
جواب:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی دو رکعت سنت ہلکی پڑھا کرتے تھے لیکن یہ استدلال کرنا غلط ہے کہ طول القنوت (قیام) مکروہ ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (افضل الصلاۃ طول القیام) 1863: اور یہ حدیث قاعدہ کلیہ ہے تمام نوافل نماز کے لئے۔ اور فجر کی سنت اس میں شامل ہوگی بطریق اولی وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ سب سے اشرف نفل نماز ہے۔ اس لئے کہ اس کا ادا کرنے پر بہت فضائل اور ترک کرنے پر کافی وعید مروی ہے لہذا طول القیام پر اہتمام کرنا صحیح وافضل ہے۔ اور صحابہ حضرات سے بھی طول قیام کرنا مروی ہے

★★★

P:397 ★ 33: باب الرکعتین بعد العصر ★

مسئلہ:- صلاۃ العصر کے بعد نفل پڑھنے کا حکم کیا ہے۔

★ مسالک ★

مذہب اول [ظاہریہ]:- بجواز مطلقًا
مذہب ثانی [احناف/مالکیہ]:- مکروہ تحریمی — مثال: طواف کی رکعت) اجازت
مذہب ثالث [شوافع]:- ذو سبب والی نماز پڑھنا جائز۔ ظہر کی (2) سنۃ پڑھنے کی
مذہب رابع [حنابلہ]:- تقریبًا شوافع کا ساتھ ہے۔

★ ظاہریہ کی دلیل ★ (کوئی بھی دن مرے پاس نہیں ہوتا مگر 2 رکعت پڑھتے)

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت: ماکان الیوم الذی یکون عندی فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا صلی رکعتین بعد العصر! اس حدیث سے ظاہریہ ثابت کرتے ہیں کہ مطلقا عصر کے بعد نفل نماز پڑھنا جائز ہے۔

★ ظاہریہ کے مذہب پر اشکال ★

ظاہریہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عصر کی نماز کے بعد دوسری نماز پڑھنے کی روایت پیش کی، جو کہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ لیکن دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عصر کے بعد 2 رکعت پڑھنے کے بارے میں، تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا [لا أدری سَلُوا ام سلمۃ] 1892 اور یہ روایات تمام فصل اول [ظاہریہ] کے مذہب کی منفی کرتی ہے۔ ظاہریہ کی پیش کردہ روایات قابل استدلال نہیں رہی، جبکہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

P.86
[باب:33]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احناف و مالکیہ کی دلیل

1) ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صلاۃ العصر کے بعد نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو معلوم کرنے کے بعد واضح ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کے بعد نفل نماز نہیں پڑھتے تھے بلکہ ظہر کی سنت کی قضاء کر رہے تھے۔

2) دوسرے صحابہ سے بھی مروی ہے کہ نفل صلاۃ العصر کے بعد جائز نہیں ہے، اور عمر رضی اللہ عنہ جب لوگوں کو عصر کی نماز کے بعد نفل پڑھتے دیکھتے تو کوڑے مارتے تھے۔ اور فرماتے تھے [ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینھانا عنھما] 1896

ہمارے مذہب پر اشکال

حضور صلی اللہ علیہ وسلم عصر کے بعد ظہر کی (2) رکعت سنت قضاء کرتے تھے تو ہمارے لئے جائز ہونا چاہئے۔

جواب:- جائز نہیں ہے، اسکی (2) وجہ ہے،

1) عصر کے بعد نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے،

2) ام سلمہ رضی اللہ عنہ نے سوال کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ اگر ہم سے ظہر کی سنت فوت ہو جائے تو کیا ہم قضاء کرسکتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [لا] 1924۔

تو معلوم ہوا کہ یہ ظہر کی سنت کی قضاء کرنا صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی نہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کے لئے۔

نظر طحاوی

اصول اور ضابطہ یہ ہے کہ جن فرض نمازوں کے ساتھ سنت کا ثبوت ہے تو اس کی سنت ہونے کا مدار (2) شرط کے ساتھ ہے، 1) فرض کے تابع ہو 2) وقت کے اندر پڑھی جائے۔ اب جب کہ وہ ادا نہیں کر پایا بعد میں وہ پڑھیگا تو نفل شمار ہوگی۔ اور نفل کی نماز پڑھنے کے بارے میں عصر کے بعد ممانعت آئی ہے، اس وجہ سے وہ کوئی نفل نماز بھی نہیں پڑھیگا اور نہ سنت کی قضاء کرسکتا ہے۔

***

P.404 *34: باب الرجل یصلی بالرجلین: این یقیمھما*

مسئلہ: اگر ایک امام ہے اور دو مقتدی ہو تو مقتدی کہاں کھڑے ہونگے؟

مسالک

مذہب اول: [ابن مسعود رضی اللہ عنہ، امام ابو یوسف رحمہ اللہ]:-
مقتدی امام کے دائیں بائیں جانب کھڑے ہونگے

مذہب ثانی [جمہور]:- دونوں مقتدی امام کے پیچھے صف بنا کر کھڑے ہونگے۔

P: 87

★ مذہب اول کی دلیل ★

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایۃ - عبد اللہ بن مسعودؓ نے علقمہ رضی اللہ عنہ
اور حضرت اسود بن یزید رحمہ اللہ کو دائیں بائیں طرف کھڑے کرے اور
خود درمیان میں کھڑے ہوئے اور نماز پڑھائی۔ اور دونوں ہاتھوں کو
رانوں پر رکھ کر تطبیق فرمائی [تطبیق: یعنی ہاتھ جوڑے ہوئے
ہو اور رکوع اس حالت میں رکوع فرمایا] اور پھر ابن مسعود رضی اللہ عنہ
نے فرمایا [ھکذا فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم]

★ آپ کی پیش کردہ روایت میں 2 احتمال ہے

1) عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تشبیہ دی تطبیق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
2) کو تشبیہ دی ہے دونوں مقتدیوں کے درمیان کھڑے ہونے کی۔

★ تو ھکذا کی تشبیہ میں دو احتمال ہے کہ کس فعل کی طرف یہ تشبیہ لوٹ
رہی ہے۔

★ تو ہمیں حدیث کی بنیاد پر دوسرے احتمال کو ترجیح مل رہی ہے۔
- عبد الرحمن بن اسود نے اپنے والد اسود بن یزید [جو کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
کے شاگرد تھے] ان کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل
کے ساتھ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تشبیہ دونوں مقتدیوں کے درمیان میں کھڑے
ہونے کی دی ہے۔ لہذا مذہب اول کا مدعی جو ہے وہ ثابت ہو گیا۔

حدیث یہ ہے: عن عبد الرحمن بن اسود عن ابیہ قال: دخلت انا
وعمّی علی عبد اللہ بالھاجرۃ: فأقام الصلاۃ فتأخرنا خلفہ
فأخذ أحدنا بیمینہ والآخر بشمالہ فجعلنا عن یمینہ وعن
یسارہ، فلمّا صلّی قال: ھکذا کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصنع اذا
کانوا ثلاثۃ۔

★ جمہور کی طرف سے مذہب اول کا رد ★

1) باب التطبیق میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلمیذ
حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ اور اسود بن یزید رحمہ اللہ کی روایۃ
ابراھیم النخعی رحمہ اللہ کے طرق سے ثابت ہے۔ اور اس روایت
میں تاویل کی گئی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
نے یہ جگہ کی تنگی کی وجہ سے کیا تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
بھی جگہ کی تنگی کی وجہ سے ہی کیا تھا، تو خاص عذر کی وجہ سے تھا
نہ کہ عام حالت میں۔ اور ہم بھی اس بات کے قائل ہے کہ جب
جگہ تنگ ہو تو مقتدی امام کے دائیں بائیں کھڑے ہو سکتے ہیں
بغیر حرج کے۔

P:88 بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(باب: 34)

2) فریق مخالف [مذھب اول] کی دلیل جو عبد الرحمٰن بن اسود سے ثابت ہے وہ معارض ہے جابر رضی اللہ عنہ اور انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے لہذا قابل استدلال نہیں ہے [حدیث: 1927]

3) دوسرے حضرات صحابہ سے بھی ثابت ہے کہ اگر مقتدی دو ہو تو امام کے پیچھے صف بنا کر کھڑے ہونگیں. جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

* نظر طحاوی *

(2) اور جو (2) کے اوپر ہے اس کو جماعت کہتے ہیں اصول و قاعدہ یہی ہے، فرائض میں لہذا دو کو ایک جماعت شمار کیا تو ادھر بھی دو لوگ کو جماعت ہی شمار کیا جائے گا اور جماعت کا حکم ہے کہ امام کے پیچھے صف بنائے،

* نوٹ: مقتدی 1 ہو تو بالاجماع مقتدی امام کے دائیں جانب

" 3 ہو تو " مقتدی امام کے پیچھے

مقتدی 2 ہو تو ہم نے اوپر اختلاف کر دیا.

*** کیفا ھی؟

P: 407 * 35: باب صلاۃ الخوف *

مسئلہ: صلاۃ الخوف کا کونسا طریقہ افضل ہے؟

* مسالک *

مذھب اول [بعض علماء]:- صلاۃ الخوف صرف ایک رکعت ہی ہے.

مذھب ثانی [ائمہ ثلاثہ]:- دو جماعت ہوگی. پہلی جماعت امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھے گی. اور دوسری رکعت خود ختم کرلے گی پھر دشمن سے مقابلہ کے لئے پہلی جماعت جائے گی. اور امام کی دوسری رکعت کی اقتداء کے وقت دوسری جماعت امام کے ساتھ شامل ہو جائے گی. اور جب امام سلام کرے تو دوسری جماعت خود سے ایک رکعت پڑھ کر نماز پوری کرے.

مذھب ثالث [بعض علماء]:- امام چار رکعت پڑھائے گا. پہلی جماعت دو رکعت امام کے ساتھ پڑھ کر چلی جائے گی. پھر دوسری جماعت آئے گی اور دو رکعت پڑھ کر امام کے ساتھ سلام پھیر دے.

مذھب رابع [عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ]:- امام دو صف بنائے جب سجدہ آئے تو پہلی صف سجدہ کرے. پھر جب پہلی صف سجدہ پورا کرے تو دوسری صف سجدہ کرے دوسری رکعت میں دوسری صف آگے آجائے، اور آگے والی صف پیچھے ہو جائے. ایک صف سجدہ کرے تو دوسری صف پہرہ دیگی. اور سب ایک ساتھ سلام پھیر لے.

مذہب خامس [امام ابو یوسف رحمہ اللہ]:- 3 روایت

1) یہ صلاۃ الخوف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ خاص تھی اب مشروعیت ختم ہو گئی

2) طرفین رحمہما اللہ کے مذہب کے ساتھ ہے۔

3) اگر دشمن بجانب قبلہ ہو تو ابن ابی لیلیٰ کے طریقہ پر عمل ہے۔ اور اگر بجانب قبلہ نہ ہو تو پھر طرفین رحمہما اللہ کے ساتھ ہے۔ [یہی مذہب امام طحاوی رحمہ اللہ کے یہاں راجح ہے]

مذہب سادس [امام محمد وابو حنیفہ رحمہما اللہ]: قرآن کا بیان کردہ طریقہ

اگر چار رکعت ہو تو دو جماعت ہو گی۔ پہلی جماعت دو رکعت پڑھے اور دوسری جماعت قتال کریگی۔ پھر پہلی جماعت دو رکعت کے بعد دشمن کی طرف آئے گی۔ اور دوسری جماعت امام کے ساتھ دو رکعت پڑھے گی۔ اور جب امام سلام کرے تو قتال کرنے والی جماعت واپس آئے گی۔ اور اپنی بقیہ دو رکعت پڑھ کر نماز پوری کرے۔ اور امام کے ساتھ جس جماعت نے آخری دو رکعت پڑھی اور امام کے سلام کے بعد اٹھ کر اپنی نماز جو کہ دو رکعت باقی رہ گئی ہے۔ وہ پوری کرے گی۔ اس طریقہ سے چار رکعت پوری ہو جائے گی۔

★ دلیل مذہب اول ★

حدیث: 1937 :- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے معلوم چلتا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر مقیم ہونے کی حالت میں چار رکعت اور سفر میں دو رکعت اور خوف میں ایک رکعت فرض کی ہے۔

★ مذہب اول کی ان کی دلیل کا جواب ★

یہ آپ کا بیان کردہ بات قرآن کی آیۃ کے خلاف ہے، کیونکہ قرآن میں ہے کہ دوسری جماعت دشمن کی طرف سے پہلی رکعت کے بعد آئے جس سے یہ لازم آتا ہے کہ صلاۃ الخوف ایک رکعت سے زائد ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

* مذہب ثانی کی دلیل [ائمہ ثلاثہ] *

سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ نقل فرماتے ہے کہ یوم ذات الرقاع کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلاۃ الخوف اس طریقہ پر پڑھائی جو مسالک میں بیان کیا گیا ۔ [2945]

* مذہب ثانی کی دلیل کا جواب *

یہاں اس طریقہ پر عمل کرنے کی صورت میں مقتدی دوسری رکعت کو پڑھ رہا ہے ۔ امام کی دوسری رکعت پڑھنے سے پہلے اور امام سے پہلے کوئی بھی رکن ادا کرنا صحیح نہیں ہے ۔

* مذہب ثالث کی دلیل *

ابو بکرہ ، جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نقل کرتے ہیں کہ صلاۃ الخوف اس طریقہ پر پڑھی جائے گی جو اوپر مسالک میں بیان کیا گیا ۔

* مذہب ثالث کی دلیل کا جواب *

آپ کے بیان کردہ طریقہ میں دو احتمال ہے

1] مقتدیوں نے اپنی دو رکعت کو بعد میں قضاء کی ۔ اور یہ حدیث تو منقول بھی نہیں ہے ۔

2] امام کا دو مرتبہ نماز پڑھانا اور مقتدی کا نماز پڑھنا دو مرتبہ ابتداء کی زمانہ میں جائز تھا لیکن بعد میں یہ منسوخ ہو گیا جیسے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نماز کو دو مرتبہ پڑھنے سے منع فرمایا ۔

← بہر حال دونوں احتمال میں ان کی دلیل صحیح نہیں بنتی ۔

* مذہب رابع کی دلیل * ابن ابی لیلی

ابو عیاش رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہے کہ صلاۃ الخوف اس طریقہ سے پڑھی جائے جو کہ مسالک میں بیان کیا گیا ۔

* مذہب رابع کی دلیل کا جواب *

اس طریقہ سے نماز پڑھنے میں پوری جماعت سب لوگ ایک ساتھ نماز کو ادا کر رہے ہیں ، حالانکہ قرآن میں ہے کہ دو الگ جماعت امام کے ساتھ ایک ایک رکعت پڑھیگی تو یہ طریقہ قرآن کے طریقہ کے خلاف ہے تو مرجوح ہے...

۹:۹۲

مذہب خامس امام ابو یوسف (رحمہ اللہ) کی (3) روایت

انہوں نے ابو عیاش رضی اللہ عنہ کی حدیث اور قرآن کے بیان کردہ طریقہ کے درمیان تطبیق کی ہے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس طریقہ کو ترجیح دی ہے۔

مذہب سادس طرفین رحمہما اللہ کے مذہب کی دلیل

یہ حضرات قرآن کے بیان کردہ طریقہ کو افضل جانتے ہیں۔ *واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب*

* * * * * * * * * *

P: 92
P: 421

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

★ 36: باب الرجل يكون في الحرب فتحضره الصلاة و هو راكب هل يصلي ام لا؟

★ ★ ★

مسئلہ ★ اگر کوئی شخص دشمن کے تعاقب میں لگا ہوا ہو [طالب بن کر] اور فرض نماز پڑھنا ہے تو ضروری ہے کہ وہ روک جائے اور سواری سے اتر کے نماز پڑھے۔ بالاتفاق

★ اگر کوئی شخص سے بھاگ رہا ہے [مطلوب] تو اس کے متعلق علماء کا اختلاف ہے کہ کس طرح نماز پڑھیگا۔

★ مسالک ★

(لا یجوز)

مذھب اول [ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ] :- سواری ہونے کی حالت میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے

مذھب ثانی [احناف، مالکیہ، حنابلہ] :- " " " " جائز ہے۔

مذھب ثالث [شوافع] :- " " " " " ہے۔ اور قتال کرنا بھی جائز ہے۔ بشرطیکہ نماز میں تتابع الضربات نہیں ہو۔

★ مذھب اول کی دلیل ★

حدیث: عن حذيفة رضي الله عنه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول يوم الخندق شغلونا عن صلاة العصر۔ قال ولم يُصَلِّهَا يومئذٍ حتى غابت الشمس۔ ملأ الله قبورهم نارًا و قلوبهم نارًا و بيوتهم نارًا: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز قضاء کر دی اور اگر راکبًا (سوار ہونے کی حالت میں) اگر نماز ادا کرنا جائز ہوتا تو ضرور پڑھ لیتے۔

★ جمہور کی طرف سے مذھب اول کو رد ★

1) یہ بھی احتمال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے نماز نہیں پڑھی اس لئے کہ وہ قتال میں مشغول تھے اور راکبًا تو نماز پڑھنا جائز ہے لیکن عمل کثیر جیسے چونکہ قتال سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

2) یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت تک راکبًا نماز پڑھنے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ اور اس کی تائید ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ کی روایہ حدیث (1978) سے ہوتی ہے۔ کہ آیۃ [فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا] کے بعد اجازت دی گئی کہ راکبًا نماز پڑھنے کی ہے [یہ ہماری دلیل ہوگئی]

★★★★★

★ 37 باب الاستسقاء كيف هو؟ وهل فيه صلاة ام لا؟ P: 422

★ استسقاء کے بارے میں یہاں 5 مسائل مذکور ہیں۔
1) استسقاء کا طریقہ کیا ہے؟
2) استسقاء میں تحویل رداء کا کیا حکم ہے
3) باجماعت استسقاء کا کیا حکم ہے
4) استسقاء میں خطبہ کا ثبوت
5) صلاۃ الاستسقاء میں قرائت جہری ہے یا سری۔

★ مسئلہ: (1) استسقاء کا طریقہ کیا ہے؟

★ مسالک ★

مذہب اول [امام صاحب]:- صرف دعا ہے، نہ کہ نماز
مذہب ثانی [صاحبین، ائمہ ثلاثہ، امام طحاوی]:- صلاۃ اصل ہے اور دعا بھی کر سکتے ہیں۔

★ امام صاحب کے مذہب کی دلیل ★

ایک صحابی مسجد میں داخل ہوئے جمعہ کے دن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے اور اس صحابی نے عرض کیا۔ [یا رسول اللہ هلكت الأموال وانقطعت السُبُلُ فادعُ الله يغيثنا فرفع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يديه ثم قال اللهم اغثنا ---
ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز نہیں پڑھائی صرف دعا کی۔

★ جمہور کی دلیل ★

حدیث: عن عبد الله بن زید رضی اللہ عنہ: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج الى المصلى فاستسقى فقلب رداءه واستقبل القبلة۔

★ مسئلہ: (2) استسقاء میں تحویل رداء کا کیا حکم ہے؟

وہ لوگ جو صلاۃ الاستسقاء کے قائل ہیں وہ تحویل رداء کے قائل ہے اور تحویل رداء مشکل ہے بھاری ہونے کی وجہ سے، تو کپڑے کا دائیں جانب کا کنارہ اپنے بائیں جانب کے کندھے پر رکھ سکتا ہے۔ اور کپڑے کا بائیں جانب کا کنارہ دائیں کندھے پر رکھے۔

★ مسئلہ: (3) باجماعت استسقاء کا کیا حکم ہے؟

کھلے میدان میں باجماعت پڑھی جائے گی۔

P:94
(باب: 37)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ: 4) استسقاء میں خطبے کا ثبوت ہے یا نہیں؟
خطبے کے متعلق دو روایات ملتی ہے، قبل الصلاۃ اور بعد الصلاۃ تو اب ہم قیاس کی طرف جاتے ہیں، کہ کب خطبہ پڑھا جائے گا۔

★ نظر طحاوی ★

استسقاء کا خطبہ قبل الصلاۃ ہے یا بعد الصلاۃ ہے اس کو معلوم کرنے کے لئے خطبہ العید اور خطبہ الجمعہ سے مقابلہ کرنا پڑیگا اور خطبہ الاستسقاء جس خطبے کے مشابہ ہے اس کا حکم لے گا۔
صلاۃ الجمعہ میں جو خطبہ ہوتا ہے وہ قبل الصلاۃ ہے اور وہ خطبہ شرط صحۃ الصلاۃ ہے، خطبہ العیدین شرط صحۃ الصلاۃ نہیں ہے، اور استسقاء کا خطبہ بھی شرط صحۃ صلاۃ نہیں ہے، تو جس طرح خطبہ عیدین کی نماز میں نماز کے بعد ہوتا ہے تو استسقاء کا خطبہ بھی نماز کے بعد ہوگا۔

مسئلہ: 5) صلاۃ الاستسقاء میں قرات جہری ہے یا سری؟
صلاۃ الاستسقاء میں قرات جہری ہوتی تھی اور نماز سے پہلے کوئی اذان اور اقامت نہیں ہوتی تھی [حدیث: 2000]

★★★★★

P:429 ★ 38: باب صلاۃ الکسوف: کیف هی؟ ★ (سورج گرہن)

★

مسئلہ:- کسوف کی نماز میں ہر رکعت میں کتنے رکوع ہونے چاہیے۔

★ مسالک ★

مذھب اول [ائمہ ثلاثہ]:-	نماز 2 رکعت، ہر رکعت میں 2 رکوع
مذھب ثانی [تابعین]:-	" " : " " " 4 "
مذھب ثالث ["]:-	" " : " " " 3 "
مذھب رابع ["]:-	" " : " " " رکوع کی کوئی تعین نہیں؟ جب تک رکوع کرتے رہیں شمس کے ظاہر ہونے تک
مذھب خامس [احناف]:-	" " : " " " 1 رکوع، عام نماز کی طرح

★ ائمہ ثلاثہ کی دلیل ★

عائشہ، ابن عباس، عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسوف کی نماز 2 رکعت پڑھائی اور ہر رکعت میں (2) رکوع کیے۔

★ مذھب ثانی کی دلیل ★

ابن عباس وعلی رضی اللہ عنہم سے مذھب ثانی کی اثبات ہوتی ہے۔

★ مذھب ثالث کی دلیل ★

ابن عباس و عائشہ و جابر رضی اللہ عنہم سے مذھب ثالث کی دلیل ثابت ہوتی ہے

★ مذہب رابع کی دلیل ★

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایۃ سے مذہب رابع کا اثبات ہوتی ہے۔

★ احناف کی دلیل ★

1) عبد اللہ بن عمرو بن عاص، سمرہ بن جندب، ابوبکر علی رضی اللہ عنہم کی روایات سے معلوم چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت کسوف کی نماز پڑھائی عام نماز کی طرح، ہر رکعت میں ایک رکوع اور (2) سجدے تھے۔

2) رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا کہ جب سورج گرہن ہو تو صلاۃ الکسوف پڑھو عام نماز کی طرح [فاذا رأیتموها فصلوا کأحدث - عام نماز کی طرح صلاۃ صلیتموها من المکتوبۃ] حدیث: 2039]

★ نوٹ: حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہے کہ:- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسوف کی نماز الگ طریقہ سے بھی پڑھی تھی لیکن عام نماز کی طرح، امۃ کو یہی حکم دیا کہ کسوف کی نماز عام نماز کی طرح پڑھو۔

★ اشکالات مع جوابات ★

اشکال 1: حدیث: کان یصلی رکعتین ویسلم ویسأل :- اس روایۃ سے معلوم چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے 2، 2 رکوع کیے صلاۃ الکسوف میں۔

جواب:- دوسری روایۃ میں ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکوع کیا اور صلاۃ الکسوف بہت طویل نماز تھی، تو جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں گئے۔ اور بہت دیر کے لیے رکوع کی حالت میں تھے تو بعض حضرات نے سمجھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے اٹھ گئے، تو پھر وہ بھی اٹھ گئے۔ اور جب معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں ہے تو واپس رکوع میں جھک گئے، تو جو لوگ پیچھے کی صفوف میں تھے انہوں نے سمجھا کہ (2) رکوع ہوئے۔

اشکال 2: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان [فاذا رأیتم ذلك فصلوا حتی تنجلی] سے واضح ہوتا ہے کہ سورج کی روشنی آنے تک نماز میں مشغول رہنا چاہیے۔ تو اس سے پہلے نماز سے فارغ ہو کر دعاء میں لگ جانے کا کوئی معنی نہیں ہوتا۔

جواب 1:- بعض روایۃ میں [فصلوا وادعوا حتی تنجلی] لہذا دعا میں مشغول ہونا نماز کے بعد ثابت ہو گیا۔

جواب 2:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسوف الشمس کے وقت غلام آزاد کرنے کا حکم فرمایا لہذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسوف کا وقت نماز کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ دوسرے اعمال بھی کر سکتے ہیں جس سے استغفار کی امید ہوتی ہے، لہذا روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ لوگوں کو اختیار ہے اگر نماز لمبی کرنا چاہے یا اختصار کرے اور پھر دعا میں لگ جائے سورج ظاہر ہونے تک

P:96

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[باب : 38]

اشکال: ق: امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انہوں عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس تذکرہ کیا کہ ان کے بھائی عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے صلاۃ الکسوف پڑھائی مدینہ میں فجر کی نماز کی طرح (یعنی بغیر زائد رکوع کے) تو عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا [انه اخطأ السنة] انہوں نے سنت کے طریقہ کو نہیں سمجھا۔

جواب: صرف عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انہوں نے غلطی کی اور دوسرے صحابہ جو موجود تھے صلاۃ الکسوف کے وقت انہوں نے نکیر نہیں کی۔ لہذا صرف ایک صحابی کی رائے جماعت صحابہ کے خلاف مقبول نہیں ہوگی۔

★★★

★39: باب القراءة فی صلاة الکسوف کیف هی ؟ ★ P:436

★

مسئلہ: صلاۃ الکسوف میں قراۃ بالجہر مسنون ہے یا بالسر؟

★ مسالک ★

مذھب اول [امام صاحب/مالکیہ/شوافع]: سری قرائت مسنون ہے

مذھب ثانی [حنابلہ/صاحبین/امام طحاوی]: جہری " " ہے۔

★ مذھب اول کی دلیل ★

عن سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ قال: صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی صلاۃ الکسوف لا نسمع له صوتا 2047

★ مذھب ثانی کی دلیل ★

عن عائشہ رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جهر بالقراءة فی کسوف الشمس : 2050

★ مذھب اول کا رد ★

1) ممکن ہے کہ ان صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرائت نہیں سنی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرائت کرنے کے باوجود۔

★ مذھب ثانی کی طرف سے عقلی دلیل ★

خاص ایام میں جو نماز پڑھی جاتی ہے ان میں جہری قرائت ہوتی ہے مثلا صلاۃ الجمعہ عیدین لہذا صلاۃ الکسوف میں بھی جہری قرائت ہونی چاہئے۔

★★★

P:97

P:438 ★ 40: باب التطوع بالليل والنهار: كيف هو؟ ★

مسئلہ: ایک سلام کے ساتھ کتنی رکعت پڑھنا افضل ہے؟

★ مسالک ★

مذہب اول [ائمہ ثلاثہ]:- مثنی مثنی (رات اور دن میں)

مذہب ثانی [صاحبین/امام طحاوی]:- دن میں (4) رکعت/رات میں (2) رکعت

[امام صاحب]:- رات اور دن میں 4 رکعت ایک سلام کے ساتھ،

★ (ائمہ ثلاثہ) مذہب اول کی دلیل ★

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلاۃ اللیل والنہار مثنی مثنی

★ ائمہ ثلاثہ کے مذہب پر اشکال ★

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اسکے خلاف عمل منقول ہے،

وہ جمعہ سے پہلے (4) رکعت (ایک سلام کے ساتھ) اور جمعہ کے بعد (2) رکعت پڑھتے تھے 2056

ادھر ابن عمر رضی اللہ عنہما صلاۃ النہار 4 رکعت پڑھ رہے ہیں حالانکہ

ان سے مروی ہے کہ صلاۃ اللیل والنہار میں افضل مثنی مثنی ہے،

★ صاحبین و امام طحاوی کی دلیل ★

دوسری روایات سے معلوم چلتا ہے کہ ظہر سے پہلے (4) رکعت پڑھنا افضل ہے

اس وجہ سے کہ اُن چار رکعت کے لئے آسمان کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں

تو لہذا اس قسم کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دن میں 4 رکعت نفل

پڑھنا ایک سلام سے افضل ہے، اور رات میں 2 2 رکعت جیسے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد میں 2،2 رکعت پڑھنے کا معمول تھا،

★ ★ ★

P:441 ★ 41: باب التطوع بعد الجمعة: كيف هو؟ ★

مسئلہ: جمعہ کے بعد کتنی رکعت سنن مؤکدہ ہے؟

★ مسالک ★

مذہب اول [طرفین/حنابلہ فی روایۃ]:- 4 رکعت

مذہب ثانی [مالکیہ / " " رحمہم اللہ]:- 2 رکعت

مذہب ثالث [شوافع/امام ابو یوسف/امام طحاوی]:- 4 رکعت پھر 2+ رکعت: 6

★ طرفین کی دلیل ★

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کان مصلیًا منکم بعد الجمعہ

فلیصل اربعًا [2066]

P: 98

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(باب: 41)

★ مالکیہ و حنابلہ کی دلیل ★

ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف (2) رکعت پڑھتے تھے جمعہ کے بعد گھر میں۔

★ شوافع، امام ابو یوسف و امام طحاوی رحمہما اللہ کی دلیل ★

1) ابو اسحاق سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ جمعہ کے دن نماز پڑھی تو نماز کے بعد انہوں نے پہلے 2 رکعت اور بعد میں 4 رکعت پڑھی، پھر وہاں سے ہٹ گئے۔ تو اس میں احتمال ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنۃ پر عمل کیا ہو۔

2) عن علی رضی اللہ عنہ قال: من كان مصلياً بعد الجمعة فليصلِّ ستاً (6)

★ امام طحاوی رحمہ اللہ بھی 6 رکعت کے قائل ہیں جمعہ کے بعد،
ترتیب پہلے 4 رکعت سنۃ موکدہ بعد میں 2 رکعت،
جمعہ کے فوراً بعد جمعہ جیسی 2 رکعت پڑھنا مکروہ ہے،
جو کہ عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم چلتا ہے۔ [حدیث: 2073]

★★★

★ 42: باب الرجل يفتتح الصلاة قاعداً، هل يجوز له ان يركع قائماً أم لا ★

P: 443

★ مسالک ★

مذہب اول [محمد بن سیرین (بعض ظاہریہ)]: جائز نہیں ہے۔

مذہب ثانی [ائمہ اربع (جمہور)]: جائز ہے۔

★ مسئلہ ★

بیٹھ کر نماز شروع کی اب کھڑے ہو کر رکوع کرے تو جائز ہے یا نہیں۔

★ مذہب اول کی دلیل ★

عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تو رکوع بھی کھڑے ہو کر کرتے، اور جب بیٹھ کر پڑھتے تو رکوع بھی بیٹھ کر کرتے۔ (2074)

★ ائمہ اربع کی دلیل ★

عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بیٹھ کر نماز نہیں پڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ بوڑھے ہو گئے فكان يقرأ قاعداً حتى اذا أَرَادَ ان يَركَعَ قام فقرأ نحواً من ثلاثين آية أو أربعين آية ثم رَكَعَ۔ (2082)

★★★

★43: باب التطوع في المساجد ★ P:444

مسئلہ: مساجد میں نفل پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

★ مسالک ★

ا مذہب اول [سوید بن غفلہ/ سائب بن یزید]:- مسجد میں نفل پڑھنا مکروہ ہے

مذہب ثانی [جمہور علماء]:- مسجد میں پڑھنے میں کوئی کراہت نہیں ہے نوافل گھر میں پڑھنا افضل ہے۔

ب مذہب اول کے یہاں: ظہر اور مغرب کے بعد کی سنتیں اور تحیۃ المسجد مسجد میں پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

★ مذہب اول کی دلیل ★

عبد اللہ بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرض نماز کے علاوہ کی نماز گھر میں پڑھنا زیادہ محبوب ہے، فرض کے علاوہ کی نماز تو گھر کی نماز ہے گویا کہ۔ (2086)

★ جمہور علماء کی دلیل ★

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایۃ ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے مجھے حکم دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر جا کر رات گزاروں تاکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادۃ کو اچھی طرح دیکھوں، چنانچہ میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عشاء سے فارغ ہو کر مسجد ہی میں نوافل شروع کر دی یہاں تک کہ سب لوگ چلے گئے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ مسجد میں سنن ونوافل پڑھنا مشروع ہے۔

★★★

★44: باب التطوع بعد الوتر ★ P:445

مسئلہ: وتر کے بعد نفل پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

★ مسالک ★

مذہب اول [امام اسحاق بن راہویۃ/ احمد بن میمون/ مکحول]:- وتر کے بعد نفل پڑھنا جائز نہیں ہے اگر نفل پڑھے تو وتر کا اعادہ لازم ہوگا۔

مذہب ثانی [جمہور ائمہ اربعہ]:- نفل پڑھنا جائز ومشروع ہے۔

★ مذہب اول کی دلیل ★

1) عن علی رضی اللہ عنہ قال: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر فی اول اللیل وفی وسطہ وفی آخرہ ثم ثبت لہ الوتر فی آخرہ

P:200

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(باب ۴۴:

2) حضرات صحابہ کا عمل اور فتوی - وتر کی نماز بالکل آخر میں ادا کرتے تھے لیکن اگر کبھی رات کو اول لیل میں وتر پڑھ لیتے اور اس کے بعد بیدار ہونے نیند سے تو ایک رکعت مزید پڑھتے اور ما قبل کی وتر کو شفع بنا لیتے، اور آخر میں دوبارہ وتر ادا کرتے، لہذا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وتر کو آخری نماز بنانا ضروری ہے۔ اور اگر کسی وجہ سے نفل پڑھ لے وتر کے بعد تو آخر میں وتر کا اعادہ ضروری کا ہے۔

★ جمہور کی دلیل ★

1) سعد بن ہشام رحمہ اللہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا کہ وتر کے ساتھ (9) رکعت اور جب بدن بھاری ہو گیا تو وتر کے ساتھ کل (7) رکعت پڑھتے تھے اور اس کے بعد بیٹھ کر (2) رکعت پڑھتے تھے۔ (حدیث: 1757)

اشکال: یہ ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد فجر کی (2) رکعت پڑھتے ہوں نہ کہ نفل۔

جواب 1: سعد بن ہشام رحمہ اللہ نے صلاۃ اللیل کے بارے میں سوال کیا تھا نہ کہ فجر کی سنت کے متعلق۔ اور عائشہ رضی اللہ عنہا نے صرف رات کا معمول بیان فرمایا تھا لہذا (2) رکعت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی وتر کے بعد نفل نماز تھی نہ کہ فجر کی سنت۔

جواب 2: حدیث سے معلوم چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد 2 رکعت بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ اور سب حضرات اس بات کو مانتے ہیں کہ بغیر عذر کے فجر کی سنت بیٹھ کر پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔

2) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا وتران فی لیلۃ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نقض الوتر کہ وتر کو توڑنا کہ ثابت نہیں ہے جیسے کہ فریق مخالف نے کہا، وجہ اس کی یہ ہے کہ جب آدمی وتر پڑھ کر سوئے گا اور پھر اٹھ گیا اور ایک رکعت پڑھ لیا اسکی وتر کو شفع بنانے کے لئے تو دراصل ایک اور وتر کا اضافہ کر رہا ہے کیونکہ وہ اب نوافل پڑھ لیا اور بعد میں ایک اور وتر پڑھ لیا، تو اس نے کل 3 وتر پڑھی، 1) رات میں سونے سے پہلے

2) اٹھنے کے بعد

3) نوافل پڑھنے کے بعد

اور ہمیں حدیث سے ایک سے زائد وتر پڑھنے کی ممانعت معلوم ہو چکی ہے۔

P: 107

★ اور یہ بھی غیر معقول ہے کہ سُننے کے بعد وہ وتر کی نماز کو شفع بنایا جائے حالانکہ ان دونوں کے درمیان میں عمل کثیر پایا گیا تھا۔

3) دوسرے صحابہ سے بھی مروی ہے کہ وہ وتر پڑھ کر سوتے تھے اور پھر اگر اٹھتے تہجد کے لئے تو 2، 2 رکعت پڑھتے تھے۔ (حدیث: 2113) عمار، ابوھریرہ رضی اللہ عنہما

★★★

P:450 ★45: باب القراءة في صلاة الليل: كيف هي؟ ★

★ مسئلہ: تہجد کی نماز میں قراءۃ بالجہر ہوگی یا بالسر؟

★ مسالک ★

مذھب اول [حسن بصري، عكرمه، ابراهيم النخعي]:- يكره القراءة جهرًا

مذھب ثانی [ائمہ اربع]:- دونوں طرح قرائت کر سکتا ہے کوئی حرج نہیں ہے۔

★ مذھب اول کی دلیل ★

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں قرائت کرتے تھے نماز میں، اور کمرہ کے باہر آواز آتی تھی۔ (2117)

★ جمہور کی دلیل ★

ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی رات میں بلند آواز سے نماز میں قرائت کرتے تھے اور کبھی پست آواز سے۔

★ مذھب اول کا رد ★

ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے نماز میں قرائت کی پست آواز سے قرائت کرنے کے بعد

★★★

P:451 ★46: باب جمع السور في ركعة ★

★ مسئلہ: ایک رکعت میں متعدد سورتیں جمع کرنے کا حکم کیا ہے؟

★ مسالک ★

مذھب اول [عامر شعبی]:- دو سورۃ کو ملانا مکروہ ہے۔

مذھب ثانی [جمہور]:- بغیر کراھۃ جائز ہے۔

★ مذھب اول کی دلیل ★

1) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لكلِّ سورةٍ ركعةٌ (2124)

2) ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول اس شخص کو جس نے کہا کہ میں ایک رکعت میں متعدد سورتیں پڑھتا ہوں تو فرمایا اگر اللہ تعالی چاہتا تو ایک ہی مرتبہ میں پورا قرآن نازل کر دیتا، مگر اس کو تفصیل سے اتارا تاکہ ہر سورۃ کو اس کا حصہ رکوع و سجدہ میں سے دیا جائے (2126)

P: 102

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[باب: 46]

★ مذہب ثانی (جمہور) کی دلیل ★

1) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے ایک رکعت میں سورۃ بقرہ و آل عمران پڑھنا [حدیث: 2134] حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ

2) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک سورۃ کا جزء پڑھنا بھی ثابت ہے، لہٰذا فریق مخالف کی حدیث لکل سورۃ رکعۃ قابل استدلال نہیں ہے۔ [ابوذر رضی اللہ عنہ]

3) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل الصلاۃ طول القیام۔ اور یہ منافی ہے ان احادیث کے جس میں ہے کہ جمع بین السور الکثیرۃ فی رکعۃ صحیح نہیں ہے۔

4) اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی متعدد سورتوں کو ایک رکعت میں جمع کرنا منقول ہے۔ [ابن عمر، تمیم الداری، عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم]

5) نظری دلیل:- اس پر سب کا اتفاق ہے کہ سورۃ فاتحہ پڑھی جائے گی ہر رکعت میں دوسری سورت کے ساتھ تو جب ان دونوں سورتوں کو جمع کرنا جائز ہے تو اس طرح ایک سورۃ کو دوسری سورتوں کے ساتھ جمع کرنا بھی درست ہونا چاہئے۔

★★★

★47: باب القیام فی شهر رمضان هل هو فی المنازل افضل ام مع الامام★

P: 456

مسئلہ:- کیا صلاۃ التراویح گھر میں تنہا پڑھنا افضل ہے یا مسجد میں امام کے ساتھ؟

★ مسالک ★

مذہب اول [احناف، حنابلہ]:- افضل فی المسجد

مذہب ثانی [مالکیہ، شوافع، امام طحاوی رحمہ اللہ]:- افضل فی البیت

★ مذہب اول کی دلیل ★

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، انه من قام مع الامام حتی ینصرف کتبت له قنوتُ بقیةِ لیلتهِ [2151]

★ مذہب ثانی کی دلیل ★

1) جو حدیث احناف و حنابلہ نے پیش کی ہے بالکل درست ہے اپنی جگہ مسلم ہے لیکن گھر جا کر تنہا پڑھنا زیادہ افضل ہے اس وجہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خیر صلاۃ المرءِ فی بیتہ الا المکتوبۃ۔ اور یہ اس وقت فرمایا جب رمضان میں صحابہ نے درخواست کی نفل نماز پڑھانے کی۔

P:203

2) صحابہ اور تابعین کا فتوی اور عمل: کہ گھر میں تراویح پڑھنا افضل ہے

1) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنھما، ابراہیم النخعی، عروہ بن زبیر رحمھما اللہ.

★ احناف کی دلیل میں کوئی اشکال نہیں ہے ہمارے خلاف. اس لئے کہ تراویح کی نماز پڑھنا سنۃ مؤکدہ علی الکفایۃ ہے مسجد میں. اور خاص لوگ گھر میں بھی پڑھ سکتے ہیں.

★★★★★

P:459 ★ 48: باب المفصل: هل فيه سجود ام لا؟ ★

مسئلہ ①:- سجدہ تلاوت کا حکم کیا ہے؟

★مسالک★

مذھب اول [ائمہ ثلاثہ/امام طحاوی رحمہ اللہ]:- سنت

مذھب ثانی [احناف]:- واجب

مسئلہ ②:- سجدہ تلاوت کی تعداد کتنی ہے؟

★مسالک★

مذھب اول [حنابلہ]:- 15

مذھب ثانی [مالکیہ]:- 11

مذھب ثالث [احناف/شوافع]:- 14

سورۂ حج میں دونوں سجدے لازم ہے، سورۂ ص میں سجدہ ان کے یہاں نہیں ہے

مسئلہ ③:- مفصلات میں سجدہ تلاوت کا کیا حکم ہے؟

مذھب اول [مالکیہ]:- مفصلات میں کوئی سجدہ نہیں ہے.

مذھب ثانی [جمہور]:- 3 سجدے لازم [نجم/انشقاق/اقرأ]

★ اور یہی مسئلہ اس باب کے اندر مقصود ہے.

★ (مالکیہ) مذھب اول کی دلیل ★

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے سورہ النجم کی تلاوت کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور کسی نے سجدہ نہیں کیا.

★ مالکیہ کا رد ★

آپ کی بیان کردہ دلیل میں بہت احتمالات ہے،

1) وضو نہ ہونے کی وجہ سے سجدہ نہ کیا ہو 2) اس وقت سجدہ تلاوت ممنوع تھا

3) سجدہ تلاوت ہے لیکن ممنوع تھا 4) ادھر کوئی سجدہ نہیں ہے.

P: 104

[باب: 48]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

★ ترجیح الاحتمالین الاولین:

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا ایک ساتھ سورۃ النجم میں سجدہ کرنا ثابت ہے [2172]

★ اشکالات مع جوابات ★

اشکال 1:- حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مفصلات میں سجدہ نہیں ہے [2179] اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے پورا قرآن رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھ کر سنایا اور حضرت رضی اللہ عنہ صحابہ کی جماعت میں قرّاء، فقیہ و کاتب وحی میں شامل ہے۔ لہٰذا اگر مفصلات میں سجدہ تلاوت ہوتا تو حضرت کو معلوم ہوتا۔

جواب 1:- یہ ممکن ہے کہ جس وقت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن سنایا اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم وضو کی حالت میں نہ ہو، یا مکروہ وقت تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ نہیں کیا، اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے اس سے استدلال کیا کہ تخییر واجب ہے۔ مفصلات میں کوئی سجدہ نہیں ہے۔

اشکال 2:- حضرات صحابہ کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے اور اس کو چھوڑنے والا کو گناہ نہیں ملتا۔

سلمان، ابن زبیر، عمر رضی اللہ عنہم

جواب 2:- ان حضرات صحابہ کی روایت کا مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے سجدہ دوسری وجوہات کی وجہ نہیں کیا جو روایات سے واضح ہوتا ہے۔

اشکال 3:- سجدہ تلاوت کا وجوب مفصلات میں مکہ مکرمہ میں مشروع تھا اور ہجرت کے بعد منسوخ ہو گیا، عن عطاء انہ سأل ابن عباس رضی اللہ عنہما عن سجود القرآن فلم یعد علیہ فی المفصل شیئاً [2203]

جواب 3:- پہلے تو یہ بات ضعیف حدیث سے منقول ہے تو اگر ہم اس کو مان بھی لیں، تو غلط ہے اس وجہ سے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایات منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ النجم اور انشقاق میں سجدہ کیا اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ متأخر الاسلام ہے لہٰذا منسوخ نہیں ہوا۔

★ اشکال مع النظائر ★

پورے قرآن میں (10) مقامات میں جہاں سجدہ تلاوت بالاتفاق ہے اور (5) مقامات میں سجدہ تلاوت ہونے نہ ہونے پر اختلاف ہے۔

1) سورۃ النجم
2) سورۃ انشقاق
3) سورۃ العلق
4) سورۃ ص
5) سورۃ حج میں مقام ثانی [آخری رکوع میں]

P: 205

قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ موضع امر میں سجدہ تلاوت لازم نہیں ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ موضع تعلیم ہے، اور موضع خبر وہ موضع سجدہ ہے، اور جس مقام پر جس پر متفق علیہ سجدہ ہے سب موضع خبر ہے،
اب ہم مختلف فیہ مقامات میں غور کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کیا وہاں امر کا صیغہ استعمال ہوا ہے یا خبر کا صیغہ اور اس کے مطابق حکم لگائیں،

سورہ نجم :- امر کا صیغہ
سورہ انشقاق :- اخبار کا صیغہ
سورہ علق :- امر کا صیغہ
سورہ صٓ :- خبر کا صیغہ
سورہ حج :- امر کا صیغہ

* لہٰذا یہ نظر احناف کے خلاف ہے اس لئے کہ اس نظر کے مطابق سورہ نجم و علق میں سجدہ نہیں ہونا چاہئے، حالانکہ احناف سجدہ کے قائل ہے،
جواب :- نظر محض ایک قیاس ہے اور جب کوئی حکم نصوص [حدیث] سے ثابت ہوگیا تو اس کے خلاف قیاس پیش کرنا صحیح نہیں ہے،

جمہور کی دلیل

* ابوھریرہ، ابو رافع، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم: مرفوع روایات
سورہ نجم، انشقاق، علق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سجدہ کرنا ثابت ہے۔ [2204-2219]

ابو سعید، ابن عباس، عمر بن خطاب، ابن عمر، ابو موسیٰ، ابن عباس

سورۃ صٓ کا سجدہ ثابت ہے ا سورۃ حج کا سجدہ ثابت ہے،

★★★

P. 470 *49- باب الرجل يصلي في رحله ثم يأتي المسجد والناس يصلون*

مسئلہ :- اگر کوئی شخص اپنے گھر میں فرض نماز پڑھتا ہے اور پھر مسجد جاتا ہے اور ادھر وہ فرض نماز کی جماعت ہورہی ہے تو کیا حکم ہے اس شخص کے لئے کیا اعادہ لازم ہے یا نہیں یا بطور نفل شرکت کریگا،

مسالک

مذہب اول [شوافع، حنابلہ] :- ہر نماز کا اعادہ کریگا،
مذہب ثانی [احناف] :- صرف عشا اور ظہر میں شریک ہوگا،
مذہب ثالث [مالکیہ، سفیان ثوری] :- مغرب کے سوائے ہر نماز میں شریک ہوگا
مذہب رابع [امام اوزاعیؒ، ابراھیم النخعیؒ] :- مغرب و فجر کے علاوہ میں شریک ہوجائے۔

P: 206

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(باب: 49)

★مذھب اول شوافع حنابلہ کی دلیل★

(1) محجن رضی اللہ عنہ کا واقعہ: وہ گھر پر نماز پڑھ کر مسجد آئے اور انہوں نے دیکھا کہ جماعت کھڑی ہو چکی ہے تو انہوں نے نماز نہیں پڑھی تو سلام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا کہ [الستَ مسلمًا] صحابی نے عرض کیا [بلی] اور فرمایا کہ میں اپنی فرض نماز گھر پر پڑھ کر آیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [صلی مع الناس وإن کنت قد صلّیتَ مع اھلک] اس روایۃ میں عموم ہے لہٰذا ہر نماز کا اعادہ ہوگا۔

(2) دوسری روایات میں معلوم چلتا ہے کہ اعادہ کرے اگرچہ پہلے پڑھلی ہو، اور دوسری نماز نفل ہو جائے گی [فإنّھا لکما نافلۃ] [2246]

★رد علی مذھب اول★

آپ کی پیش کردہ روایات منسوخ ہے اوقات مکروہ کی روایات سے فجر کے بعد طلوع تک اور عصر کے بعد غروب تک نفل پڑھنا بھی مکروہ ہے،
اور وہ روایات جن میں ہے کہ دوسری نماز نفل ہو جائے گی وہ محتمل ہے،
احتمال 1: وہ نسخ سے پہلے کی روایات ہے
احتمال 2: اس زمانہ میں یہ حکم تھا جب ایک فرض دو دفعہ پڑھ سکتا تھا،
★ کوئی بھی احتمال کو ترجیح دیں، اب نسخ ہو گیا اور قابل عمل نہیں ہے،

★مذھب ثانی [احناف] کی دلیل★

حضرات صحابہ کا عمل: حدیث: 2247: مولی ام سلمہ رضی اللہ عنہا
ان ابن عمر رضی اللہ عنھما قال: ان صلیتَ فی اھلک ثم ادرکتَ الصلاۃ فصلّھا الا الصبح والمغرب فانھما لا یُعادان فی یوم [2248]
مغرب کی نماز انہوں نے دوبارہ نہیں پڑھی مسجد میں۔

★★★

P: 473 ★50 - باب الرجل یدخل المسجد یوم الجمعۃ والامام یخطب ھل ینبغی لہ ان یرکع ام لا؟ ★

★ ★

مسئلہ: جمعہ کے خطبہ کے درمیان تحیۃ المسجد کا حکم کیا ہے؟

★ مسالک ★

مذھب اول [شوافع، حنابلہ]: مستحب ہے
مذھب ثانی [احناف، مالکیہ]: ممنوع ہے۔

★مذھب اول کی دلیل★

(1) حضرت سلیک رضی اللہ عنہ کا واقعہ جو جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے - کہ وہ جمعہ کے خطبہ کے درمیان داخل ہوئے اور بیٹھ گئے تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے (2) رکعت پڑھنے کا حکم دیا،

2) ایک تنگ دست صحابی کا واقعہ: جو ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ وہ صحابی جمعہ کے خطبہ کے درمیان داخل ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب آنے کا حکم دیا اور دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا، اور ان کے کپڑوں سے فقر کا اندازہ ہوتا تھا، اور یہ سلسلہ (3) جمعوں تک ہوا، اور بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو صدقہ دینے کی ترغیب دیا، اور پھر بعد میں اس صحابی کو اس میں سے (صدقہ کے مال) سے دو کپڑے لینے کا حکم دیا۔

★ رد علی فریق المخالف ★

اس روایت سے استدلال صحیح نہیں ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ روایۃ میں احتمال ہے،

احتمال: 1) روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ روکا اس وقت تاکہ وہ شخص دو رکعت پڑھلے اس وجہ سے کہ صحابہ ان کی فقری حالت کو دیکھے اور صدقہ دے،

2) قبل ان ینسخ الکلام:- اس زمانہ کی بات ہے جب کہ خطبہ کے درمیان دو رکعت پڑھنے کی اجازت تھی، بعد میں منسوخ ہوگیا جیسے کہ کلام فی الصلاۃ منسوخ ہوگیا، 3) یا ہوسکتا ہے کہ وہی حکم ہو کہ 2 رکعت پڑھنا مستحب ہے

★ ترجیحُ الاحتمال الثانی ★

1) ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے اور اثناء خطبہ (درمیان) ایک شخص آیا اور وہ لوگوں کی گردنوں کو پھلانگ رہا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، [اجلس آذیتَ وآنیتَ] سے دیر بھی کی، تو یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو بیٹھنے کا حکم دیا نہ کہ نماز پڑھنے کا حکم دیا،

2) متواتر روایات ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب خطبہ کے درمیان اپنے ساتھی کو خاموش ہونے کا حکم دو [فقد لغوتَ] جب کہ نہی عن المنکر کرنا جائز نہیں ہے تو بطریق اولی نماز پڑھنا بھی جائز نہیں ہونا چاہئے جبکہ ایک مستحب عمل ہے یعنی تحیۃ المسجد کی نیت سے دو رکعت پڑھے۔
ابو هریرہ رضی اللہ عنہ

3) دوسری روایات میں فضیلت بیان کی گئی ہے جمعہ کی کہ وہ کفارہ ہوتا ہے اس جمعہ سے دوسرے تک اس شخص کے لئے جو خطبہ کو غور سے سنتا ہے۔ لہذا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ کا وقت موضع صلاۃ نہیں بلکہ سننے کا وقت ہے۔

اشکال: حدیث میں آتا ہے جب کوئی شخص مسجد جائے تو بیٹھے نہیں یہاں تک کہ دو رکعت پڑھے۔

جواب: یہ اس وقت کے متعلق ہے جب نماز پڑھنا درست ہوتا ہے اس لئے کہ بالاتفاق اگر کوئی غروب یا طلوع کے وقت داخل ہو تو ممنوع ہے نماز پڑھنا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[باب: 50]

★مذہب ثانی کی دلیل★

1) وہ روایات جو معارض ہے فریق مخالف کی، جسکا تذکرہ ماقبل میں ہو چکا، 1 فضیلت والی روایات 2 لغو کام کرنے کی روایات۔

2) صحابہ اور تابعین کے فتوی اور عمل۔

عقبہ بن عامر، عمر بن خطاب، ابن عمر و ابن عباس رضی اللہ عنہم

عامر شعبی، محمد بن مسلم بن شہاب الزہری رحمہم اللہ۔

3) عقلی دلیل:- اس پر اتفاق ہے اگر کوئی امام خطبہ دینے سے پہلے مسجد میں موجود ہو، پھر وہ خطبہ شروع کرے تو کسی کے لئے نماز پڑھنا درست نہیں ہے، جو کہ مسجد میں خطبہ سے پہلے موجود تھا، تو اس طرح اس شخص کا بھی حکم ہونا چاہئے جو مسجد میں خطبہ کے درمیان داخل ہو جائے، کہ دونوں کے لئے خطبہ موضع صلاۃ نہیں ہے، تو نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے۔

★★★★★

51 ★ باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلاۃ الفجر ولم یکن رکع: ایرکع او لا یرکع ★ P: 480

مسئلہ:- کوئی شخص مسجد میں داخل ہوتا ہے فجر کی نماز کے وقت اس حال میں کہ اس نے فجر کی سنت نہیں پڑھی: کیا اس کو جماعت میں شامل ہونا چاہئے یا سنت پڑھ کر نماز میں شامل ہو جائے۔

★مسالک★

[مذہب اول: ظاہریہ]:- فرض میں داخل ہو جائے اور سنت کو چھوڑ دے اور اگر پہلے سے سنت پڑھ رہا ہے تو سنت فاسد ہو جائے گی۔

[مذہب ثانی: شوافع، حنابلہ]:- فرض میں داخل ہو جائے اور سنت کی نیت باندھنا جائز نہیں ہے، فرض شروع ہونے کے بعد اور اگر پہلے سے سنت پڑھ رہا ہے تو سنت فاسد نہیں ہوگی۔

[مذہب ثالث: مالکیہ]:- اگر پہلی رکعت ملنے کی امید ہو تو سنت پڑھے ورنہ نہیں پڑھے۔

[مذہب رابع: احناف]:- 1) اگر دوسری رکعت ملنے کی امید ہو تو سنت پڑھے۔

2) اگر تشہد/سلام ملنے کی امید ہو تو سنت پڑھے۔ [مفتی بہ قول]

★فریق مخالف ظاہریہ شافعیہ حنابلہ کی دلیل★

دلیل : 1 :- حدیث : 2287 :- حدثنا ابو عاصم عن زکریا بن اسحاق عن عمرو بن دینار عن سلیمان بن یسار عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن رسول صلی اللہ علیہ وسلم قال : اذا اُقیمتِ الصلاۃ فلا صلاۃ الا المکتوبۃ ۔

جواب :- در حقیقت یہ حدیث موقوف ہے ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ پر، اور اختلافی مسائل میں موقوف روایات سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے ۔

روایۃ کے موقوف ہونے کی وجہ : عمرو بن دینار کے شاگرد زکریا بن اسحاق نے اس حدیث کو مرفوعاً نقل کیا ہے ، اور وہ حفاظ حدیث میں سے نہیں ہے ، مگر عمرو بن دینار کے دوسرے شاگرد جو کہ حفاظ حدیث ہے ، جیسے کہ حمّاد بن سلمہ اور حمّاد بن زید جو کہ حفاظ حدیث میں سے ہیں انہوں نے اس حدیث کو موقوفاً ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے ۔

دلیل : 2 :- ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت مرفوعاً نقل کی گئی ہے تو تو فریق مخالف ظاہریہ --- کا مدعی ثابت ہو گیا

جواب :- اس سے مراد ہو سکتا ہے کہ جہاں فرض نماز ہو رہی ہو اس مقام پر سنت پڑھنا ممنوع ہے ، اور صف سے ہٹ کر نماز پڑھے تو مکروہ نہیں ہے ۔

دلیل : 3 :- حضرت مالک بن بحینہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فجر کی اقامت دی گئی اور اس وقت ایک شخص کھڑا ہوا فجر کی سنت پڑھنے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا أتصلیھما اربعاً ؟ چار رکعت پڑھنے کا ارادہ ہے ؟ اس لئے کہ جب وہ فجر کی اقامت کے بعد (2) رکعت پڑھتا ہے تو وہ سنت شمار نہیں ہو گی ، تو گویا اس نے فجر کی فرض میں اضافہ کر دیا ۔

جواب : 1 : یہ روایت محتمل ہے ۔

احتمال : 1 :- کما قال فریق المخالف یعنی سنت پڑھنا اقامت کے بعد جائز نہیں ہے

احتمال : 2 :- ممانعت سنت و فرض کی ملانے کی اس وجہ سے تھی کہ اس شخص نے صفوف کے درمیان نماز (سنت) پڑھنا شروع کیا ، اور پھر اس جگہ فرض ادا کر لیا لہٰذا فصل نہیں ہوا سنت و فرض کے درمیان ، اور فصل فجر کی سنت (و فرض) کے درمیان ضروری ہے ۔

ترجیح احتمال الثانی :- محمد بن عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مالک بن بحینہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا تجعلوا ھذہ الصلاۃ کصلاۃ قبل الظھر وبعدھا واجعلوا بینھما فصلا [2294]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[باب 51]

جواب 2:- حدیث: عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال [لا تکاثروا الصلاۃ المکتوبۃ بمثلہا من التسبیح فی مقام واحد]۔
فرض نماز کو نہیں بڑھاؤ۔ اسی جیسی نفل نماز کے ذریعہ سے ایک جگہ میں اور دوسری روایت سے بھی معلوم چلتا ہے کہ فرض نماز کے ساتھ نفل یا سنت کو متصل کرنا ایک ہی جگہ میں صحیح نہیں ہے، بلکہ الگ الگ جگہ پڑھا جائے،

دلیل 4:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدل المکان کے باوجود منع فرمایا سنت پڑھنے سے فرض کھڑے ہونے کے بعد اس لئے کہ ایک آدمی مسجد میں دیر سے داخل ہوا اور فرض نماز شروع ہو گئی تھی تو اس شخص نے پہلے سنت پڑھی اور پھر جماعت میں شامل ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری فرض نماز کون سی ہے۔ اس ارشاد سے ممانعت بھی ثابت ہوتی ہے۔

جواب:- شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا اس وجہ سے کہ اس صحابی نے صفوف کے بالکل پیچھے فرض نماز پڑھی۔ جماعت کی صف سے فصل نہیں کیا، اور یہ تو ہمارے نزدیک بھی مکروہ ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما
ابو موسی رضی اللہ عنہ

★حنفیہ کی دلیل★

1) حضرات صحابہ کا عمل: ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حذیفہ رضی اللہ عنہ پہلے انہوں نے سنت پڑھی جب کہ نماز کی اقامت کہی جا رہی تھی بعد میں وہ نماز میں شامل ہوئے،

2) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل:- مسجد میں داخل ہوئے جب کہ امام نماز پڑھا رہے تھے فجر کی۔ اور فجر کی دو سنت نہیں پڑھی تھی تو وہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں داخل ہو کر سنت پڑھی پھر جماعت میں شامل ہوئے،

★فریق مخالف کی طرف سے نظر★

فرض میں مشغول ہونا سنت میں مشغول ہونے سے افضل ہے،

جواب: اس پر اجماع ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے گھر میں ہے اور اس کو علم ہو گیا کہ مسجد میں جماعت شروع ہو گئی تو پھر بھی اس کے لئے افضل ہے کہ گھر میں سنت پڑھ لے اور پھر جماعت میں شامل ہو جائے۔ اگر جماعت فوت ہونے کا خوف نہ ہو تو، پھر تو مسجد میں جا کر بھی یہی حکم ہونا چاہئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی سنت کی بہت تاکید فرمائی ہے اس وجہ سے ترک بھی نہیں کرنا چاہئے [لا تترکوهما وإن طردتکم الخیل] اگر گھوڑا تم کو روند دے،

★★★

P: 111

P: 487 ★ 52: باب الصلاة فی الثوب الواحد ★

★ مسئلہ: 1:- ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کا حکم کیا ہے؟

★ مسالک ★

[مذھب اول: بعض تابعین و امام احمد فی روایۃ]: جس کے پاس دو کپڑے ہو تو مکروہ تحریمی۔

[مذھب ثانی: ائمہ اربع]:- جائز بلا کراھت۔

★ مسئلہ: 2:- ایک کپڑا ہو تو کس طرح پہننا چاہیئے؟

★ مسلک ★

مذھب اول: [بعض تابعین و امام احمد فی روایہ]:- ایزار کے طور پر پہنا جائے اور اشتمال الصماء مکروہ ہے۔

مذھب ثانی: [ائمہ اربع]:- ایزار اور اشتمال الصماء دونوں صحیح ہے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ۔ ثابت کرتے ہیں کہ اشتمال الصماء اصل ہے۔ اور عذر کے وقت ایزار صحیح ہے۔

★ مذھب اول کی طرف سے مسئلہ اول کی دلیل ★

1) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نافع رح کو دو کپڑے عطا فرمائے۔ اور پھر ان کو مسجد میں ایک کپڑے میں دیکھا نماز پڑھتے ہوئے۔ تو پوچھا کہ کیا تمہارے پاس دو کپڑے نہیں ہے، تو نافع رحمہ اللہ نے فرمایا جی ہاں ہے تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا اگر میں تمہاری مدد مانگوں اس محلہ کے باہر تو کیا تم ایک کپڑا پہنوگے یا دو۔ تو انہوں نے عرض کیا کہ میں دونوں کو پہنونگا تو پھر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا [فاللہ احق أن تزیّن له ام الناس قال نافع رح بل اللہ!] لہذا اس سے واضح ہوتا ہے کہ جب دو کپڑے موجود ہو تو ایک میں نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے۔

2) عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی احدکم فلیلبس ثوبیه فان اللہ احق من یزین له فان لم یکن له ثوبان فلیتزر اذا صلی و لا یشتمل احدکم فی صلاته اشتمال الیھود۔ (2323)

★ مذھب ثانی (جمہور) کی دلیل ★

1) عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ قال: قام رجل فقال یا رسول اللہ ایصلی فی ثوب واحد فقال أوَ كلّكم يجد ثوبين۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا سب لوگ (2) کپڑے پاتے ہیں، اور جواب نہیں ہے اور ادھر حکم عام ہے اگر ان لوگوں کے حق میں مکروہ تحریمی ہوتا جو دو کپڑے پاتے تو پھر اس شخص کے حق میں بھی مکروہ تحریمی ہونا چاہئے جو ایک کپڑا پاتا ہے لہذا مکروہ تحریمی نہیں ہے۔

P: 112

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[باب: 52]

2) متعدد روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ نے ایک سے زائد کپڑے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے باوجود ایک کپڑے میں نماز پڑھی۔

* جابر بن عبداللہ، عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما!

" ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک چادر میں نماز پڑھتے دیکھا

" ام ھانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا!

3) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس کے خلاف بھی منقول ہے جو جمہور کے مذھب کے موافق ہے۔

* مسئلہ: 2 *

*قسم 1: صریح روایات میں اشتمال الصماء کا حکم ہے،

قسم 2: وہ روایات جن کی دلالت النص سے ثابت ہوتا ہے کہ جب کپڑہ تنگ ہو تو ازار کی طرح باندھے،

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: صریح روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر بڑا کپڑا ہو تو اشتمال الصماء کا حکم ہے، اور وہ روایات جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک کپڑے میں نماز نہ پڑھی جائے جب تک کہ کپڑے کے کنارے کندھوں پر ہو، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اشتمال الصماء کا حکم اس وقت ہے جب کہ کپڑا ازار اور اشتمال الصماء دونوں کے لئے کافی ہو۔ ورنہ صرف الازار کا حکم ہوگا، لہذا مذھب اول کی روایات جس میں اشتمال الصماء کا حکم نہیں ہے وہ اس وقت ہے جب کہ کپڑا تنگ ہو،

* اشتمال الصماء: گردن پر کپڑہ اس طرح باندھا جائے کہ پورے جسم کا آگے پیچھے والا حصہ چھپ جائے،

* * *

P: 494

* 53 * باب الصلاۃ فی اعطان الابل *

مسئلہ: اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھنے کا حکم:

* مسالک *

مذھب اول [حنابلہ مشہور روایۃ، ظاھریۃ]: باطل

حنابلہ فی روایۃ، اسحاق بن راھویہ حسن بصری]: مکروہ تحریمی

مذھب ثانی [جمہور محدثین، ائمہ ثلاثہ]: جائز،

FIVE STAR.

★مذہب اول کی دلیل★

1) ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات (7) جگہوں پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا اس میں سے ایک معاطن الابل بھی ہے۔ (حدیث: 2369)

2) جابر بن سمرۃ، براء بن عازب، ابوھریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کے باڑے میں منع فرمایا۔

★رد علی مذہب اول★

★ ممانعت کی وجہ معاطن الابل ہونے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ممانعت کی علۃ دوسری الگ چیز ہے۔

علۃ 1: اونٹوں کے مالک کی عادت ہوتی ہے کہ اونٹوں کے باڑے میں جاکر پیخانہ و پیشاب کرنا۔ اس لئے کہ وہ ان اونٹوں کے ذریعہ پردہ کر سکتے تھے۔ برخلاف غنم کا باڑے میں اس لئے کہ مویشی کے مالکوں کو عادت نہیں ہوتی ادھر پیخانہ پیشاب کرنے کی۔ یہ علۃ شریک بن عبداللہ سے منقول ہے۔

علۃ 2: اونٹوں کا خوف اور حملہ کرنے کی وجہ سے ممانعت ہے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان ھذہ الابل أوابد کأوابد الوحش
ان اونٹوں کی کچھ خصلتیں ہیں جو وحشی جانوروں کی ہے۔ لہذا حملہ کر سکتے ہیں نماز پڑھنے والے پر۔ اور انکی موت کا سبب بن سکتے ہیں۔
اس وجہ سے اونٹ کے باڑے میں نماز پڑھنا منع ہے۔ یہ علۃ یحیی بن آدم سے منقول ہے۔

علۃ 3: اونٹوں کے گوبر و پیشاب کی وجہ سے ممانعت ہے۔

علۃ فاسد: آخری علۃ فاسد ہے اس لئے کہ جو اونٹ کے بول و براز کا حکم ہے۔ وہی حکم غنم کے غائط و بول کا ہوتا ہے۔ (ناپاک ناپاک)

★امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک غنم کے بول کا حکم طاھر ہے تو اونٹوں کے ابوال کا حکم بھی طاھر ہوگا۔ اور امام صاحب کے نزدیک غنم کے ابوال نجس ہے تو اونٹوں کے ابوال کا حکم بھی نجس ہوگا۔ تو اس سے معلوم چلتا ہے کہ حدیث میں جو اونٹ کے باڑے میں نماز پڑھنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے وہ نجاست کی وجہ سے نہیں ہوئی۔ دوسری علۃ کی بناء پر ہوئی جو اوپر بیان کی گئی ہے۔

★جمہور کی دلیل★

حدیث: 2379: عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی الی بعیرہ

★جمہور کے مطابق نظر طحاوی★

★ دوسرے احکام جیسے کہ اکل، سؤر، لحم، بول و غائط میں غنم اور اونٹ کا حکم ایک ہے لہذا نماز پڑھنے میں بھی ایک ہی حکم ہونا چاہئے۔ غنم کے باڑے میں نماز پڑھ سکتے ہیں تو اونٹ میں کیوں نہیں۔

★★★

P: 224

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

54: باب الامام یفوته صلاة العید: هل یصلیها من الغد أم لا ★ P: 498

مسئلہ:- اگر عید کی نماز چاند کی خبر دیر سے آئے یا کسی اور وجہ سے یوم اول سے فوت ہوجائے تو کیا یوم ثانی میں قضاء کر سکتے ہیں یا نہیں؟

★ مسالک ★ ← آگے ذکر تفصیل سے آرہا ہے

مذھب اول [حنابلہ، احناف]:- دوسرے دن قبل الزوال قضاء کرسکتے ہیں اور اگر دوسرے دن فوت ہوجائے تو یوم ثالث کی قضاء جائز نہیں ہے۔

مذھب ثانی [شوافع، مالکیہ، امام طحاوی رحمہ اللہ]:- قضاء مطلقاً جائز نہیں ہے۔

★ امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس قول کو امام صاحب کی طرف منسوب کیا ہے جو کہ غلط ہے۔

[احناف]:- تفصیل!

عید الفطر:- تو دوسرے دن عید کی نماز کی قضاء کرسکتا ہے عذر کی وجہ سے۔

عید الاضحی:- تو دوسرے دن عید کی نماز کی قضاء کرسکتا ہے۔ اور اس کے بعد بھی (11 اور 12 ذوالحجہ) - اگر عذر ہے تو کراہت نہیں ہے اور کراہت کے ساتھ بلا عذر۔

★ مذھب اول حنابلہ احناف کی دلیل ★

حدیث 2382:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں پر چاند (29) کی رات کو مخفی رہا تو دوسرے دن روزہ رکھا گیا جس میں کچھ لوگوں نے آکر زوال کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ انہوں نے گزشتہ رات چاند دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ توڑنے کا حکم دیا، اور دوسرے دن صحابہ کے ساتھ نماز عید پڑھی۔

★ رد علی مذھب اول ★

تمام روایات جو چاند کے متعلق زیر سے جس کی خبر دیتی ہے اسکی اسناد میں ایک راوی حضرت ھشیم بن بشیر ہے اور ان کی روایات 3 طرق سے مروی ہے۔

1) عبداللہ بن صالح [جو کہ مذھب اول کی دلیل کی سند میں سے ایک راوی ہے]
2) سعید بن منصور
3) یحیی بن حسان

★ سعید بن منصور اور یحیی بن حسان کی روایات میں دوسرے دن عید کی نماز پڑھنے کا ذکر نہیں ہے اور یہ حضرات حفاظ حدیث ہے۔ اور ان کی روایات زیادہ قوی ہے۔ اور ان کی روایات میں ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے دن عیدگاہ تشریف لے گئے مگر صرف تشریف لے جانا نماز پڑھنے کو ثابت نہیں کرتا۔ بلکہ ممکن ہے کہ تشریف لے گئے ہو کہ کفار کو مسلمانوں کی کثرت کو دکھانے۔

مذھب ثانی کی دلیل ←

حدیث ← 2383

P.225

اور یہ معنی کی تاکید کرتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: کہ حائضہ عورتوں کو اور وہ عورتیں جو پردہ میں رہتی ہے ان کو بھی نماز کے لیے لائے، حالانکہ حائضہ عورت نماز میں تو شامل نہیں ہوتی۔ بلکہ مقصد مسلمان کی تعداد کو ظاہر کرنا ہے۔

2) شعبہ بھی اس روایت کو نقل کرتے ہے اپنے استاد ابو بشر سے جو کہ ھشیم بن بشیر کے استاذ ہے۔ اور ان کی روایت کا معنی سعید بن منصور اور یحیی بن حسان کی روایت سے موافق ہے۔ نہ کہ عبداللہ بن صالح کی روایت ہے۔

★دلیل من مذھب الثانی (نظر طحاوی)★

★ نماز کے (2) اقسام ہے

قسم 1: صلاۃ دھریہ: وہ نماز جس کی قضا کبھی بھی کر سکتے ہیں سوائے اوقات ممنوعہ میں وہ جیسے کہ صلوات خمسہ

قسم 2: صلاۃ مقید بالوقت المخصوص: وہ نماز جس کی قضاء صرف مخصوص وقت کے اندر کر سکتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ باقی کسی وقت میں اس کو پڑھنا جائز نہیں ہے۔ جیسے کہ صلاۃ الجمعہ۔

اصول: وہ نماز جو اپنے اصل وقت سے فوت ہو جائے اور اسکی قضاء بقیہ دن میں جائز نہیں ہے تو دوسرے دن کس طرح جائز ہوگی

حاصل: عید کی نماز قبل الزوال پڑھنا ضروری ہے اور جب یہ مخصوص وقت فوت ہو گیا تو یوم ثانی میں قضاء کرنا جائز نہیں ہوگا۔

★★★

P.500 ★55 باب الصلاۃ فی الکعبہ★

مسئلہ: کیا خانہ کعبہ میں نماز پڑھنا جائز ہے؟

★مسالک★

مذھب اول [حنابلہ، ظاھریہ، مالکیہ]: لا یجوز

امام مالک رحمہ اللہ: فرض واجبات فجر کی سنۃ: لا یجوز / نوافل: جائز

مذھب ثانی [احناف، شوافع]: یجوز۔

★مذھب اول کی دلیل★

حدیث 2388: اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے کناروں میں دعا کی مگر نماز نہیں پڑھی۔ نماز باہر آ کر پڑھی۔ اور بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [ھذہ القبلۃ]

★رد علی مذھب اول★

1) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا باہر آکر نماز پڑھنا اور فرمانا ھذہ القبلۃ سے نماز خانہ کعبہ میں پڑھنے کا عدم جواز ثابت نہیں ہوتا۔ اور روایۃ محتمل ہے۔

P:226

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[باب: 55]

احتمال: 1:- چونکہ فریق مخالف کا دعوی ہے کہ بوقت صلوٰۃ پورا قبلہ سامنے ہونا چاہئے۔

احتمال: 2:- یہ فرمان امام سے متعلق ہے کہ بوقت جماعت پورا قبلہ سامنے رکھے اور تعلیم لینا مقصد تھا کہ مقام ابراہیم کو مصلی پڑھنے کی جگہ بنائی جائے۔

★ دلیل مذہب ثانی ★

1) حدیث: 2397:- اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما جن کی فصل اول [فریق مخالف] کی روایت ہے۔ ان سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے اندر نماز پڑھی

2) بلال رضی اللہ عنہ سے بھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خانہ کعبہ میں نماز پڑھنا ثابت ہے۔

★ تعارض الروایات ★

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خانہ کعبہ میں بلال و اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم تھے۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ میں نماز پڑھی۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں نماز نہیں پڑھی۔

★ ترجیح روایۃ ابن عمر رضی اللہ عنہما ★

1) جب تعارض واقع ہوا اسامہ رضی اللہ عنہ کی روایۃ میں تو ہم بلال رضی اللہ عنہ کی روایت کی طرف جایا جائے گا اور ان کی روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے طریق سے منقول ہے۔ اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز پڑھنا ثابت ہے۔

2) ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مطلقاً بھی مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ میں نماز پڑھی ہے۔

★ نظر طحاوی مذہب اول کی طرف سے ★

نماز پڑھنا بیت اللہ میں جائز نہیں ہونا چاہئے اس لئے کہ قبلہ کی طرف رُخ کرنا شرط ہے نماز کے لئے۔ اور بیت اللہ کے اندر پورے بیت اللہ کا استقبال نہیں ہوتا بلکہ استدبار (پیٹھ کرنا) ہوتا ہے۔ لہٰذا نماز صحیح نہیں ہونی چاہئے۔

★ نظر طحاوی مذہب ثانی [احناف شوافع] کی طرف سے ★

اگر کوئی شخص خارج بیت اللہ قبلہ کے بعض حصے کی طرف استقبال کرے اور دائیں بائیں کچھ حصہ استقبال سے رہ جائے تو بالاتفاق اس کی نماز صحیح ہے۔ تو اسی طرح جب بیت اللہ کے اندر کچھ حصے کا استقبال کرے تو صحیح ہونا چاہئے۔ اور شریعت نے پورے بیت اللہ کے استقبال کرنے کا مکلف نہیں بنایا۔ اور بیت اللہ کے اندر استدبار کا پایا جانا وہ اس طرح ہے جب کہ بیت اللہ کے خارج دائیں بائیں کا حصہ نظر آنا جس کا کوئی اعتبار نہیں۔

★★★

P:117

P:505 ★ ٥٦: باب من صلی خلف الصف وحده ★

مسئلہ:- امام کے پیچھے صف میں تنہا نماز پڑھنے کا حکم کیا ہے۔

★ مسالک ★

مذہب اول [حنابلہ، اسحاق بن راہویہ، ابراہیم نخعی رحمہ اللہ، حماد ابن ابی سلیمان رحمہ اللہ] (لا یجوز، نماز باطل اعادہ لازم)

مذہب ثانی [ائمہ ثلاثہ] :- مکروہ۔

★ مذہب کی دلیل ★

1) حدیث: 2412 :- عن وابصة رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأى رجلاً یصلی فی خلف الصف وحده فأمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یعید الصلاة۔

2) فی روایة: کہ ایک شخص کو تنہا صف میں نماز پڑھتے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور نماز کے بعد اس صحابہ سے فرمایا: [استقبل صلاتك فلا صلاة لفرد خلف الصف] حدیث: 2414

★ رد علی مذہب اول ★

1) وابصہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں کوئی دلیل نہیں ہے کہ اعادہ کی وجہ خلف الصف وحدہ نماز پڑھنا تھا ممکن ہے کہ دوسری وجہ سے اعادہ کا حکم دیا۔

2) فلا صلاۃ سے کمال کی نفی کی جا رہی ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے اقوال دلالت کرتے ہیں کہ حدیث کا ظاہری معنی نہیں لیا جائے گا۔ مثال: ① لا وضوء لمن لم یسم ② لیس المسکین بالذی ترده التمرة والتمرتان۔

★ مذہب ثانی (ائمہ ثلاثہ) کی دلیل ★

1) ★ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی روایۃ: نماز کے لئے آئے جب کہ جماعت رکوع کی حالت میں تھی تو جلدی سے صف کے پیچھے نماز کی نیۃ کی اور بعد میں چل کر صف میں داخل ہو گئے۔ نماز کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انکا علم ہوا تو اعادہ کا حکم نہیں دیا اور فرمایا: [زادك الله حرصا ولا تعد] 2415

★ اشکال :- حدیث میں [لا تعد] کا کیا معنی ہے۔

جواب :- (2) دو معنوں کا احتمال ہے۔

احتمال 1:- آئندہ سے صف کے پیچھے تنہا نیت نہیں باندھنا جو فریق مخالف کا دعوی ہے۔

احتمال 2:- نماز میں عجلت سے دوڑ کر نہیں آنا۔

★ ترجیح احتمال ثانی کو ★

حدیث: 2420 :- ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نماز کے لئے دوڑ کر نہ آؤ بلکہ چل کر آؤ۔ سکون کو لازم پکڑو، تو نماز میں سے پالو اس کو پڑھلو اور جو فوت ہو جائے اس کو مکمل کر لو۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[باب: 56]

2) نظر طحاوی:- جب آگے خالی جگہ ہو تو مصلی آگے بڑھ کر اس کو پُر کر سکتا ہے
تو جب مصلی آگے بڑھ رہا ہوگا تو کچھ وقت کے لئے اس کے دائیں بائیں کوئی
نہیں ہوگا، اور یہ اس کی نماز کو بالاتفاق فاسد نہیں کرتی، تو اسی طرح اگر مصلی
خلف الصف وحدہ نماز پڑھے تو اسکی نماز فاسد نہیں ہونی چاہئے۔

3) ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا واقعہ:- جب وہ اپنے شاگردوں کے ساتھ مسجد میں
دیر سے داخل ہوئے اور امام کو رکوع کی حالت میں پایا تو صف کے پیچھے
تحریمہ کر دیا اور رکوع کر لیا اور رکوع کے بعد صف سے متصل ہو گئے۔

★ اشکال: 1:- ادھر خلف الصف وحدہ لازم نہیں آتا کیونکہ ابن مسعود
رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے شاگرد بھی ہوتے تھے۔

جواب: 1:- جس طرح ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے متعلق منقول ہے اسی طرح
زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کے متعلق بھی منقول ہے اور حال یہ تھا کہ
زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کے ساتھ کوئی شاگرد نہیں تھا۔

★ اشکال: 2:- تمہارے نزدیک (احناف) مناسب نہیں ہے کہ مصلی خلف
الصف وحدہ تحریمہ کرے اور بعد میں صف میں متصل ہو جائے۔
حالانکہ ابن مسعود و زید رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے۔

جواب: 2:- بہت سی چیزیں نماز میں مناسب نہیں ہے لیکن وہ مفسد
الصلاۃ میں شمار نہیں ہوتی۔

★ اشکال: 3:- کیا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے حضرت ابن مسعود و
زید رضی اللہ عنہما کی مخالفت کی، کہ تحریمہ خلف الصف مناسب
نہیں ہے۔

جواب:- (1) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا [لا یرکع احدکم دون الصف حتی یاخذ مکانہ من الصف [2418]
(2) حسن بصری رحمہ اللہ: انَّهُ كَرِهَ ان يركع دون الصف [2437]

★★★

★ 57: باب الرجل یدخل فی صلاۃ الغداۃ فیصلی منھا رکعۃ
[P: 511] ثم تطلع الشمس ★

مسئلہ:- اگر کوئی شخص فجر کی نماز شروع کرتا ہے اور ابھی ایک ہی رکعت
پڑھ سکا تھا کہ سورج طلوع ہو گیا تو کیا وہ دوسری رکعت پڑھ
کر نماز مکمل کر دیگا یا نماز فاسد ہو جائے گی۔

* مسالک *

مذھب اول [ائمہ ثلاثہ]:- نماز فاسد نہیں ہوگی بلکہ وہ اپنی نماز مکمل کرے۔

مذھب ثانی [احناف]:- نماز فاسد ہوجائے گی اعادہ واجب۔

* مذھب اول کی دلیل *

حدیث 960:- عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من ادرك صلاة الصبح ركعة قبل ان تطلع الشمس فقد ادرك الصلاة [یہ روایت باب مواقیت الصلاۃ میں مذکور ہے]

* رد علی مذھب اول *

* یہ روایت محتمل ہے

احتمال 1:- جو فریق مخالف نے بیان کیا کہ نماز فاسد نہیں ہوتی اور صحیح ہوتی ہے۔

احتمال 2:- یہ حدیث شریف خاص ہے۔ ان لوگوں کے حق میں ہے کہ جو غیر مکلف اور معذور ہو یعنی جب فجر کا وقت داخل ہوا تو مکلف نہیں تھے پھر فجر کے بالکل آخری وقت میں جس میں صرف اتنا وقت ہو کہ ایک رکعت پڑھی جائے۔ اس وقت میں مکلف ہوجاتے ہیں تو ان پر فجر کی نماز کی قضاء لازم ہوگی لہذا ہم اس حدیث کی مخالفت نہیں کرتے بلکہ اس معنی کی جو فریق مخالف نے اختیار کیا۔

* فریق مخالف کی طرف سے ہمارے مذھب پر اشکال *

اشکال 1:- حدیث 2438:- عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال من ادرك من صلاة الغداة ركعة قبل ان تطلع الشمس فليصل اليها اخرى۔

اس روایت میں وضاحت ہے کہ طلوع شمس کے بعد فجر کی نماز کو مکمل کرسکتے ہیں۔

جواب: یہ روایت منسوخ ہے اوقات ممنوعہ کی روایت سے جو باب مواقیت الصلاۃ میں گزر گئی

اشکال 2:- اوقات ممنوعہ کی روایت سے ممانعت نوافل میں ہے اور تم خود تسلیم کرتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد عصر الی المغرب اور بعد صلاۃ فجر الی طلوع شمس میں نماز سے منع فرمایا اور یہ ممانعت تمہارے نزدیک بھی نوافل سے خاص ہے۔ تو اسی طرح طلوع شمس کے وقت بھی نماز پڑھنے کی ممانعت نوافل سے خاص ہونی چاہیے۔

جواب:- اوقات ممنوعہ کے (2) اقسام ہے۔

قسم 1:- نوافل سے ممانعت ہے ایسا وقت اور صرف قضاء جائز ہے۔

قسم 2:- تمام صلوات سے ممانعت ہے۔

حاصل:- طلوع الشمس کے وقت کی ممانعت دوسری قسم میں سے ہے اور اسی میں وہ فجر کی نماز کو بھی مکمل کرنا ممنوع ہے۔ جس کو اس نے فجر کے وقت اندر شروع کیا اور دوسری قسم کا قیاس کرنا پہلی قسم پر غلط ہے اور لیلۃ التعریس [جس میں فجر کی نماز قضاء ہوگئی تھی] کے واقعہ پر قیاس کرنا۔ واضح ہوتا ہے کہ طلوع شمس کے وقت قضاء بھی جائز نہیں ہے۔

P: 720

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(باب : 57)

اشکال : تحقیق : حدیث : 2439 : ابوہریرہ رضی اللہ عنہ : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : من
ادرک رکعۃ من صلاۃ العصر قبل ان تغرب الشمس فقد تمت صلاتہ
واذا ادرک رکعۃ من صلاۃ الصبح قبل ان تطلع الشمس فقد تمت صلاتہ
تو تم احناف اس حدیث کے پہلے حصہ پر عمل کرتے ہو اور دوسرے حصہ کو
منسوخ قرار دیتے ہو ، اور یہ بات معقول معلوم نہیں ہوتی ۔

جواب : ہم پوری حدیث کو منسوخ قرار دیتے ہیں ۔

* نوٹ :- امام طحاوی رحمہ اللہ :- کے نزدیک اگر کوئی شخص عصر شروع کرتا ہے اور غروب شمس ہو جائے ، تو نماز فاسد ہو جائے گی اس لئے کہ امام طحاوی رحمہ اللہ کے نزدیک عصر کا وقت اصفرار الشمس پر ختم ہو جاتا ہے ۔

* نظر طحاوی احناف کی طرف سے *

* طلوع شمس کے وقت فرض اور نفل پڑھنے کا حکم معلوم کرنے کے لئے دوسرے اوقات کی طرف دیکھنا ضروری ہے جن میں فرض اور نفل ہوتے ہیں ۔
اوقات کی دو قسمیں ہے

1) وہ اوقات جن میں فرض اور نفل کا حکم برابر ہے مثلا عیدین کے ایام ان میں فرض و نفل روزہ رکھنا ممنوع ہے

2) وہ اوقات جن میں فرض و نفل کا الگ حکم ہے ، مثلا صلاۃ العصر کے بعد اور صلاۃ الفجر کے بعد نفل نماز پڑھنا ۔

* جب ان اوقات کے اقسام کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ پہلی قسم میں جو کہ فرض و نفل دونوں کے لئے ممنوع ہے ، اور دوسری قسم میں ممانعت کی وجہ وقت نہیں بلکہ نفل نماز ہے ، اسی لئے کہ ان اوقات میں بھی اس دن کی ادا نماز اور فوت شدہ نماز پڑھنا جائز ہے ۔

* حاصل : طلوع الشمس کے وقت نماز پڑھنا ممنوع ہونا چاہیے اس لئے کہ اس میں وقت کے لحاظ سے خرابی ہے تاکہ نماز میں اس لئے اسی وقت میں فرض کو مکمل کرنا بھی درست نہیں ہوگا ۔

***

P : 515 * 58 : باب صلاۃ الصحیح خلف المریض *

مسئلہ :- کیا تندرست شخص اقتداء کر سکتا ہے معذور امام کی جو بیٹھ کر نماز پڑھا رہا ہے ۔

* مسالک *

مذہب اول [حنابلہ] :- مقتدی بھی بیٹھ کر نماز پڑھیگا

مذہب ثانی [شیخین ، جمہور] :- مقتدی کھڑے ہو کر اقتداء کریگا

مذہب ثالث [امام محمد رحمہ اللہ] :- لا یجوز

P: 727

* حنابلہ کی دلیل *

1) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز بیٹھ کر پڑھائی۔ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پیچھے مکبّر بن کر لوگوں کو آواز سنا رہے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو قیام کی حالت میں دیکھا تو اشارہ سے بیٹھنے کا حکم دیا اور فرمایا [فَاِنْ صَلُّوْا قِیَامًا فصلوا قیامًا وان صلّوا جلوسًا صلّوا جلوسًا] راوی: جابر رضی اللہ عنہ 2452:

2) حدیث: 2459 :- عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما جُعِل الامام لیؤتمّ بہ فاذا صلی قاعدًا فصلوا قعودًا اجمعین۔

* جمہور کی دلیل *

1) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفات کا واقعہ:- ابو بکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [مکانک] اپنی جگہ کو لازم پکڑو۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بائیں جانب جا کر بیٹھ گئے اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے اور لوگوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء کی۔

اشکال: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ امام تھے نہ کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو استدلال غلط ہے۔

جواب:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امام تھے اور قرائن موجود ہے اس کو ثابت کرنے کیلئے!

1) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں جانب جا کر بیٹھے جس طرح کہ امام کھڑا ہوتا ہے۔

2) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قراءت کر رہے تھے۔

2) * نظر الطحاوی *

امام کی وجہ سے مقتدی پر مزید فرائض لازم ہو سکتے ہیں۔ لیکن امام کی وجہ سے فرائض ساقط نہیں ہو سکتی۔ اگر امام مقیم ہے اور مقتدی مسافر ہے۔ اور مسافر پر قصر لازم ہے لیکن امام کی وجہ سے مزید فرائض لازم ہو گئے لیکن برعکس صورت میں جب کہ امام مسافر اور مقتدی مقیم ہو تو مقتدی سے فرائض ساقط نہیں ہوتے مسافر امام کے پیچھے ہونے کی وجہ سے، لہذا امام جب معذور ہو اور مقتدی تندرست ہو تو اس پر قیام لازم ہے تو معذور امام ہونے کی وجہ سے مقتدی کا قیام ساقط نہیں ہوگا۔

اشکال: جو اصول بیان کیا گیا کہ امام کی وجہ سے مقتدی پر مزید فرائض لازم نہیں ہوتے۔ اور امام کی وجہ سے فرائض مقتدی سے ساقط نہیں ہوتے، غلط ہے اس لئے کہ غلام جس پر جمعہ فرض نہیں ہے ظہر لازم ہے، اب یہ غلام جمعہ کی نماز میں شریک ہو گیا تو اس سے ظہر کا فرض ساقط ہو جاتا ہے، لہذا یہاں امام کی جمعہ میں اقتداء کرنے کی وجہ سے ظہر کا فرض ساقط ہو رہا ہے۔

جواب: ادھر ظہر ساقط نہیں ہو رہی بلکہ جب وہ جمعہ میں حاضر ہوا تو جمعہ اس پر لازم ہو گئی اور وہ جمعہ اسکی ظہر کی طرف سے بدل ہو گئی۔

P:122

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[باب: 58]

★ امام محمد رحمہ اللہ کے مذہب کی دلیل ★

ابوبکر رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے استدلال کرنا غلط ہے۔ اس لئے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا امامت سے پیچھے ہٹنا بلا عذر بالاتفاق صحیح نہیں ہے۔ تو جس طرح ابوبکر رضی اللہ عنہ کا استخلاف خاص تھا تو اسی طرح صلاۃ الصحیح خلف المریض بھی صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خاص تھا تو وہ روایات منسوخ مانی جائیگی۔

★★★

★ 59: باب الرجل یصلی الفریضۃ خلف من یصلی تطوعاً ★ P:520

مسئلہ:- صلاۃ المفترض خلف المتنفل کا حکم کیا ہے؟

★ مسالک ★

مذہب اول [الشافعیۃ]:- یجوز الاقتداء

مذہب ثانی [احناف مالکیہ]:- لا " "

مذہب ثالث [حنابلہ]:- دونوں روایت ہے۔

★ شوافع کی دلیل ★

حدیث: عن جابر بن عبد اللہ: أن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کان یصلی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم العشاء ثم یرجع فیصلیھا بقومہ فی بنی سلمۃ۔

★ شوافع کو رد ★

یہ روایت محتمل ہے لہذا قابل استدلال نہیں

احتمال 1:- معاذ رضی اللہ عنہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نفل کی نیت سے پڑھتے تھے اور پھر گھر جاکر اپنے قبیلہ کے لوگ کے ساتھ فرض کی نیت سے پڑھتے تھے۔

احتمال 2:- یہ واقعہ اس زمانہ میں ہوا جب فرض نماز کو دوبارہ پڑھنا جائز تھا

★ مذہب ثانی (احناف مالکیہ) کو جواب ★

دلائل موجود ہے جو صراحۃ بتاتے ہیں کہ معاذ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کی فرض پڑھتے تھے اور پھر اپنے گھر جاکر پھر سے امامت کراتی عشاء کی نفل کی نیت سے

(2) عن ابن جریج عن عمرو قال اخبرنی جابر رضی اللہ عنہ أنّ معاذا کان یصلی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم العشاء ثم ینصرف الی قومہ فیصلیھا بھم ھی لہ تطوع ولھم فریضۃ

★ شوافع کا رد ★

ابن عیینہ بھی اس حدیث کو نقل کرتے ہے جابر رضی اللہ عنہ سے عن ابن عیینہ عن عمرو قال اخبرنی جابر رضی اللہ عنہ ---- وہی حدیث ذکر کرتے ہیں جو ابن جریج نے ذکر کیا لیکن ھی لہ تطوع ولھم فریضۃ کا اضافہ نہیں ہے۔ لہذا یہ جملہ ابن جریج یا عمرو بن دینار یا جابر رضی اللہ عنہ سے اضافہ کیا ہے ان کے وہم کے مطابق مگر وہ معاذ رضی اللہ عنہ کے فعل پر دلالت نہیں کرتا

FIVE STAR
★★★★★

اگر ہم تسلیم بھی کر لیں، کہ یہ جملہ معاذ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہے تو کوئی تقریر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، جائز ہونے پر، اور صحابی کا فعل فی محل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر تقریر کے دلیل نہیں ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی افعال الصحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بغیر ان کی تقریر صحیح نہیں سمجھے جیسے کہ رفاعہ بن رافع کے واقعہ سے واضح ہوتا ہے۔

2) ایک مصلی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر معاذ رضی اللہ عنہ کی شکایت کی کہ وہ آپ کے پاس عشاء کی نماز پڑھتے ہیں اور پھر ہمارے پاس آکر طویل نماز پڑھاتے ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (یا معاذ لا تکن فتانا اما ان تصلی معی واما ان تخفف علی قومک) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکیر کی اور حکم دیا کہ دو میں سے ایک جگہ نماز پڑھے، تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معاذ رضی اللہ عنہ کا اپنی قوم کو نماز پڑھانا ان کا فعل تھا

3) اور اگر معاذ رضی اللہ عنہ کا نماز پڑھانا اس زمانہ میں ہے جب کہ فرض کو دوبارہ پڑھ سکتے تھے تو وہ ابتداء کا واقعہ ہے اور بعد میں وہ حکم منسوخ ہو گیا، جو باب صلاۃ الخوف کی روایات میں واضح ہو گیا ہے۔

4) نظر الطحاوی: جو کہ مسلم قاعدہ کے خلاف ہے۔

قاعدہ: مقتدی کی نماز صحت اور فساد میں امام کی نماز کے تابع ہوتی ہے،

قاعدہ کی دلیل: اگر امام نماز میں غلطی کرتا ہے تو اس پر اور مقتدی پر سجدہ السہو لازم ہوتا ہے، لیکن برعکس صورت میں امام پر کوئی چیز لازم نہیں ہوتی۔

حاصل: اس قاعدہ کے مطابق فرض پڑھنے والے مقتدی کی نماز نفل پڑھنے والے امام کے پیچھے جائز نہیں ہونا چاہئے اس لئے کہ مقتدی کی نماز امام کی نماز کے تابع نہیں ہے۔

★ نظر طحاوی پر اشکال ★

اس قیاس کے مطابق متنفل مقتدی کی نماز مفترض امام کے پیچھے بھی جائز نہیں ہونا چاہئے اس لئے کہ یہ بھی قاعدہ کے خلاف ہے حالانکہ وہ بالاتفاق جائز ہے۔

جواب: اشکال غلط ہے اس لئے کہ مفترض امام کی نیۃ میں دو چیز ہوتی ہے

1) اصل الصلاۃ 2) نیۃ الفرض اور متنفل کی نیۃ میں صرف اصل الصلاۃ ہے ایک حصہ اصل الصلاۃ کا جو کہ مفترض کی نیت میں داخل ہے، اس وجہ سے اتباع متنفل کی مفترض امام کی صحیح ہے لیکن جب امام متنفل ہو اور مقتدی مفترض ہو تو اتباع صحیح نہیں ہے، اسلئے کہ مقتدی مفترض کی نیۃ اصل الصلاۃ میں ہے اور فرضا کی نیۃ بھی۔ اور امام کے اندر صرف ایک چیز جو کہ اصل الصلاۃ پائی جا رہی ہے، تو اس صورت میں مقتدی امام کے ساتھ ایک چیز میں شریک ہوگا نہ دوسرے میں۔ ایک چیز میں مفترض مقتدی ہوگا اور دوسری چیز میں مفترض مقتدی نہیں ہوگا جو کہ درست نہیں ہے۔

P: 524

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[باب: 59]

(عمر رضی اللہ عنہ)

اشکال: عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نماز پڑھائی پھر نماز کے بعد انہوں نے نماز کا اعادہ کیا اس لئے کہ وہ جنبی تھے اور لوگوں کو اعادہ کا حکم نہیں دیا، یہ واقعہ تمہارے اصول کے خلاف ہے کہ مقتدی امام کی نماز کے تابع ہوتا ہے صحت و فساد میں۔

جواب 1: عمر رضی اللہ عنہ کو وہم تھا کہ وہ جنابت کی حالت میں تھے نماز میں یا نہیں،

* پہلی بات تو یہ کہ انہوں نے اپنے لئے احتیاط کا پہلو اختیار کیا اور دوسروں کے لئے احتیاط اختیار نہیں کیا اس لئے کہ الیقین لا یزول بالشک اور اس صورت میں نجاست کا شک تھا تو اس وجہ سے طہارت یقینی ہے تو وہ زائل نہیں ہوگی،

جواب 2:- عمر رضی اللہ عنہ خود قائل تھے اس اصول کے اس لئے کہ جب ان سے صلاۃ المغرب میں قراءت فوت ہوگئی امام ہونے کی حالت میں تو عمر رضی اللہ عنہ نے نماز کا اعادہ کیا اور دوسروں کو بھی حکم دیا اعادہ کا

اشکال: دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے مغرب کی نماز کا اعادہ نہیں کیا،

جواب: جو روایت ہم نے پیش کی عمر رضی اللہ کی مغرب کی نماز کا اعادہ کرنا وہ متصل السند ہے اور فریق مخالف کی روایت متصل السند نہیں ہے،

***

P: 525

60: باب التوقیت فی القراءۃ فی الصلاۃ

مسئلہ 1:- جمعہ اور عیدین کی نماز میں کونسی قراءت مستحب ہے۔

مسئلہ 2:- جمعہ کی فجر میں کونسی قراءت مستحب ہے۔

* مسالک *

(چھوڑنا مناسب نہیں ہے)

مذہب اول [جمہور]:- جمعہ و عیدین میں پہلی رکعت: سورۃ اعلیٰ (مسنون) دوسری رکعت: غاشیہ

مذہب ثانی [احناف]:- (کبھی کبھی چھوڑنا مناسب ہے) فجر کی: الم سجدہ (2) الانسان

مذہب اول کی دلیل

حدیث: 2485:- نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم عیدین و جمعہ کی پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ اور دوسری رکعت میں سورۃ الغاشیہ تلاوت فرماتے تھے،

مذہب ثانی کی دلیل

* رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سورتیں پڑھنا لازم نہیں کرتا کہ ان کے علاوہ دوسری سورتیں نہیں پڑھی جائے۔ اور صریح روایت میں ابو واقد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدین کی نماز میں سورۃ ق اور اقتربت الساعۃ [السورۃ القمر] پڑھی۔ (2497)

***

P:125
P:528:

* باب صلاۃ المسافر * 61

مسئلہ: سفر میں قصر کا کیا حکم ہے؟

مسالک

مذھب اول [ائمہ ثلاثہ]: قصر رخصت ہے سنت ہے۔ لہٰذا قصر و اتمام میں اختیار ہے
مذھب ثانی [احناف]: قصر عزیمت ہے واجب ہے، قصر واجب ہے۔ اتمام ممنوع ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل

1) حدیث: 2502: عن عائشۃ رضی اللہ عنھا قالت: قصر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی السفر واتمّ - اتمام و قصر دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔

2) حدیث: 2503: یعلی بن منیہ رحمہ اللہ نے عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا [فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوۃ ان یفتنکم الذین کفروا] کے متعلق میں کہ آیت کریمہ میں قصر کی اجازت دی گئی ہے جب کفار کی طرف سے خوف ہو اور اب اسلام قوی ہو گیا، اور لوگ امن میں ہیں تو اس آیت کا اب کیا حکم ہے تو عمر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں یہ سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [صدقۃ تصدق اللہ بھا علیکم فاقبلوا صدقتہ] کہ ابھی بھی قصر کر سکتے ہیں اگرچہ خوف نہ ہو
اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ [لیس علیکم جناح] کا مطلب تم پر کوئی حرج نہیں ہے قصر کرنے میں رخصت ہے تو رخصت یعنی قصر پر عمل کر سکتے ہو یا عزیمت (اتمام) پر۔

رد علی مذھب الاول

1) عائشہ رضی اللہ عنھا سے اس کا خلاف منقول ہے کہ ھجرت سے پہلے علاوہ مغرب و فجر کی ہر نماز دو دو رکعت ہوتی تھی اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو ہر نماز میں دو دو رکعت کا اضافہ ہوا سوائے مغرب و فجر اور جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سفر کرتے تھے تو ہر نماز اپنی اصل کی طرف لوٹتی تھی 2، 2 رکعت۔ 2506

2) [لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ] کو رخصت اور اختیار پر محمول کرنا غلط ہے اس وجہ سے کہ لفظ (جناح) دوسری جگہ پر آتا ہے اور اس کو اختیار پر محمول نہیں کرتے۔ بلکہ وجوب پر مثلاً [فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح علیہ ان یطوف بھما] اس آیت میں بالاتفاق فلا جناح وجوب پر محمول ہے لہٰذا جب فلا جناح کے دونوں معنی ہو تو کسی ایک معنی کی طرف جانے کے لئے دلیل ضروری ہے۔

P: 426

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[باب 61]

★ دلیل احناف ★

1) ابن عباس، عمر، ابن عمر، عائشہ رضی اللہ عنہم اجمعین: متواتر روایات سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں صرف قصر پر عمل کرتے تھے اور ائمہ ثلاثہ کے متعارض دلائل کی طرف جانا صحیح نہیں ہے۔

2) صحابہ کی جماعت: ابوبکر و عمر، ابن عمر، انس رضی اللہ عنہم سے قصر ثابت ہے۔

★ حضرات صحابہ اتمام کرنے والوں کو نکیر کرتے تھے۔

1) جب سعد رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ مسور اور عبد الرحمن بن عبد یغوث اتمام کرتے ہیں سفر میں تو سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نحن اعلم: ہم زیادہ جانتے ہیں کہ سفر میں نماز کا کیا حکم ہے۔ گویا کہ نکیر کردی۔

2) وہ شخص جس کو سلمان رضی اللہ عنہ نے امامت کے لیے آگے کیا سفر میں اس نے اتمام کیا تو نماز کے بعد سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ [ما لنا وللمربعة [چار رکعت] انما یکفینا نصف المربعة] اور دوسرے صحابہ نے سلمان رضی اللہ عنہ کو نکیر نہیں کرنا دلالت کرتا ہے کہ اتمام صحابہ کا مذہب نہیں تھا۔

★ اشکال: ان دونوں واقعوں میں کچھ صحابہ تھے جنہوں نے اتمام پر عمل کیا۔

جواب: منفرد صحابہ کا عمل جمہور صحابہ کے عمل کے خلاف دلیل نہیں ہے اور ممکن ہے کہ بعض صحابہ کا مسلک الگ تھا شاید وہ قصر کے صرف حج عمرہ و جہاد میں کرسکتے ہیں۔

★ مفتی طٰہٰ صاحب کی نظر:- اگر ان حضرات کا یہ مسلک تھا پھر بھی اشکال ہوتا ہے اس لیے کہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے واضح ہوتا ہے کہ وہ حضرات جہاد کے سفر میں تھے۔ (حدیث: 2533)

★ نظر طحاوی ★

علماء کا اتفاق ہے کہ مسافر کے لیے دو رکعت پڑھنا فرض ہے اور آخری دو رکعت لازم نہیں ہے جو کہ نفل ہے۔ اور اتمام کرنے میں فرض و نفل کو جمع کرنا لازم آتا ہے بغیر سلام کے جو کہ جائز نہیں ہے۔ ★

★ اشکال: حضرات صحابہ کی جماعت سے اتمام ثابت ہے

1) عثمان بن عفان 2) عائشہ 3) حذیفہ 4) سعد بن وقاص 5) ابن عمر رضی اللہ عنہم

★ عثمان رضی اللہ عنہ نے جو حج کے موقع پر اتمام کیا اس کی 3 وجوہات ہو سکتی ہیں:

احتمال 1:- اقامت کی نیت کری ہو گی

احتمال 2:- اعرابی کو اصل نماز کی تعلیم کے لیے

احتمال 3:- قصر صرف لازم ہے اس شخص کے لیے جس نے سفر میں زاد (توشہ) اور مشکیزہ ساتھ رکھا ہو۔

ترجیح الاحتمال الاول: دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کا وہاں مکہ میں نکاح ہوا تھا تو اس لیے اقامت کی نیت کی تھی۔

دوسرا احتمال قوی معلوم نہیں ہوتا ہے اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اعراب میں جہالت زیادہ تھی اور تعداد بھی زیادہ تھی فتح مکہ کے موقع پر، اور اس وقت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتمام نہیں کیا تھا۔ تعلیم اعراب کے لیے، تو عثمان رضی اللہ عنہ کا اتمام کرنا تعلیم اعراب کے لیے معقول نہیں معلوم ہوتا جب کہ اعراب کی تعداد و جہالت کم ہو گئی تھی۔ تیسرا احتمال بھی ضعیف ہے اس وجہ سے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں منیٰ ایک شہر بن چکا تھا اور ان کو زاد و مزادہ (مشکیزہ) کی ضرورت نہیں تھی لہذا اس قول [احتمال] کے مطابق قصر جائز نہیں ہونا چاہیے۔

- یہ بھی ممکن ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کا مقصد تعلیم الاعراب تھا تو اس وجہ سے اقامت کی نیت کر لی تاکہ تعلیم دے سکے مگر یہ قوی نہیں معلوم ہوتا جیسے کہ اوپر بیان کیا گیا۔

★ حضرت سعد رضی اللہ عنہ: انہوں نے اتمام کیا تو (کسی زمانہ میں) پھر جب ان سے عرض کیا گیا کہ دوسرے بھی اتمام کرتے ہیں تو سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم مسئلہ کو زیادہ جاننے والے ہیں یعنی وہ بھی سفر میں قصر کے قائل تھے۔

★ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ: حذیفہ رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ صرف حاجی، معتمر اور مجاہد کے لیے قصر جائز ہے (2560) اور وہ سفر جس میں حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ابراہیم التیمی کو قصر سے منع کیا۔ وہ اپنے سفر مدائن سے کوفہ کی طرف تھا (2572)

★ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کا جواب: دو طرح کی روایات ہیں۔

1) حیان البارقی رحمہ اللہ کی روایت جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مسلک تھا کہ تارک العمر قصر کی اجازت ہے نکہ شہر میں اگرچہ وہ مسافر ہو۔

2) صفوان محرز رحمہ اللہ کی روایت: جس سے واضح ہوتا ہے کہ مسافر پر قصر واجب ہے اور ان کو رخصتا سنت کے خلاف کرتے ہیں۔ کہ جو مسافر قصر نہیں کریگا تو اس نے کفر کیا۔ لہذا ابن عمر رضی اللہ عنہما قصر کے قائل تھے۔ اگرچہ ہر صورت میں مسافر قصر نہیں کر سکتا ان کے یہاں۔

★ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کا جواب: قصر نہ کرنے کی وجہ

1) عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی اقامت کی نیت کی تھی۔ لہذا مقیمین کے حکم میں تھی۔

2) ان کا مسلک تھا کہ قصر صرف زاد و مزادہ ہونے کی صورت میں لازم ہے اور اس وقت ان کے پاس تھا زاد و مزاد

اشکال: عائشہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین تھی تو جہاں جائے وہ ان کا گھر ہے تو قصر لازم نہیں۔

جواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو المؤمنین ہوئے جائے اس قیاس کے مطابق لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفر میں قصر کرنا ہی ثابت ہے۔

P: 128

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[باب : 61]

* نظر طحاوی : بعض حضرات کہتے ہیں کہ سفر میں قصر صرف لازم ہے جب سفر طاعت ہو اور جب سفر معصیت ہو تو قصر کی اجازت نہیں ہے ، اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ہر سفر میں قصر لازم ہے

تو قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر حالت میں قصر لازم ہونی چاہئے . کیوں کہ جب کوئی مقیم ہوتا ہے تو اس پر اتمام کا حکم ہوتا ہے چاہے کہ اطاعت کر رہا ہو یا معصیت ، اتمام کے علاوہ کوئی چیز لازم نہیں ہوتی اس لئے کہ اتمام کرنے کی علۃ ایک ہے جو کہ اقامہ ہے ، تو سفر میں بھی ایک حکم ہوگا یعنی سفر میں صرف قصر لازم ہوگی ، سفر کی علۃ پائی جانے کی وجہ سے ،

★★★

P.543 * باب الوتر : هل یصلی فی السفر علی الراحلہ ام لا *62

مسئلہ :- مسافر کے لئے وتر کی نماز سواری پر پڑھنے کا کیا حکم ہے ؟

* مسالک *

مذہب اول : [ائمہ ثلاثہ] :- یجوز الوتر علی الراحلة

مذہب ثانی [احناف] :- لا " " " .

* دلیل مذہب اول *

1) تمام روایات جن میں وتر علی الراحلة کا ثبوت ہے امام طحاوی رحمہ اللہ نے ان کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے طریق سے نقل کیا ہے ،

* رد علی مذہب اول *

1) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اسکے خلاف منقول ہے لہٰذا تطبیق کی صورت میں دونوں جائز ہے . اور ترجیح کی صورت میں فصل اول [ائمہ ثلاثہ کا مذہب] کی روایت راجح ہے اس لئے کہ وہ شہاب الزھری رحمہ اللہ سے مروی ہے جو کہ احفظ ہے نافع رحمہ اللہ سے ،

خلاصہ : حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا وہی مسلک معلوم ہوتا ہے کہ علی الراحلہ وتر جائز ہے ،

2) اور وہ روایات جن میں وتر علی الراحلہ پڑھنے کی اجازت ہے وہ وتر کے لازم ہونے سے پہلے تھا ، اور بعد میں وتر کی نماز میں زیادہ تغلیظ آئی ، جیسے نماز میں کلام کرنے کی اجازت تھی شروع دور میں اور بعد میں احکام میں اور شرائط آئے تو اسی طرح وتر کا معاملہ تھا ، شروع میں علی الراحلہ درست بعد میں نہیں ۔

P: 229

★احناف کی دلیل★

1) مختلف روایات وتر کے وجوب پر دلالت کرتی ہے۔
حدیث: 2595: عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ زادکم صلاۃ فصلوا ما بین العشاء الی صلاۃ الصبح: الوتر الوتر۔
لہٰذا اس طرح کی روایات سے واضح ہوتا ہے کہ فصل اول کی روایات منسوخ ہے اور وہ وتر کے مؤکد ہونے سے پہلے کی روایات ہے۔

2) نظرِ طحاوی:- علماء کا اتفاق ہے کہ فرض نماز قاعدًا جائز نہیں ہے اس شخص کے لیے جس کو قیام کی قدرت ہو۔ اور سفر میں بھی قاعدًا پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ نفل قاعدًا جائز ہے حضر میں اور سفر میں پھر قیاس کا تقاضہ ہے کہ وتر کی نماز حالت السفر میں قاعدًا جائز نہیں ہونی چاہئے۔ اس لئے کہ علماء کا اتفاق ہے کہ حضر میں اگر کوئی شخص قیام پر قادر ہے تو وتر قاعدًا جائز نہیں ہے لہٰذا سفر میں بھی قاعدًا جائز نہیں ہونی چاہئے۔ پہلی قسم پر قیاس کرتے ہوئے۔

★★★

★63: باب الرجل یشک فی صلاتہ فلا یدری اثلاثًا صلی ام اربعًا★ P.546

مسئلہ:- اگر کوئی شخص نماز کے درمیان شک میں واقع ہوگیا کہ کتنی رکعت اس نے پڑھی مثلاً 4 رکعت والی نماز میں شک ہوا کہ تین رکعت یا چار رکعت پڑھی تو کیا حکم۔

★مسالک★

مذہب اول [حضرت حسن بصری، سعید بن مسیب، قتادہ رحمہم اللہ]:- سجدہ سہو سے نماز صحیح ہوجائے گی
مذہب ثانی [ائمہ ثلاثہ، امام طحاوی رحمہ اللہ]:- بناء علی الاقل [یقینی چیز] پھر سجدہ سہو کرے تو نماز صحیح ہوجائے گی ورنہ واجب الاعادہ۔
مذہب ثالث [احناف]:- نماز میں شک واقع ہونے کی (3) صورتیں ہے۔
1) پہلی مرتبہ شک:- استیناف۔ نئے سرے سے نماز کو دوہرائے
2) نادر الوجود:- " " "
3) عادۃ:- غالب الظن پر عمل کرے۔ ورنہ بناء علی الاقل مع سجدہ السہو۔

★مذہب اول کی دلیل★

حدیث: 2596: عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: اذا جاء احدکم الشیطان فَخَلَطَ علیہ صلاتَہُ فلا یدری کم صلی فلیسجد سجدتین وھو جالسٌ۔

★مذہب ثانی کی دلیل★

حدیث: عن عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: اذا صلی احدُکم فشک فی النقصان فَلْیُصَلِّ حتی یَشُکَّ فی الزیادہ۔ مثلاً اگر کسی کو شک ہوگیا 3 یا 4 رکعت میں تو تین کو اختیار کرے جو کہ یقینی ہے۔ اور پھر سجدہ السہو کرے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[باب: 63]

* دلیل من مذھب الثالث *

حدیث: 2629: عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا سہا احدکم فی صلاتہ فلیتحر ولیسجد سجدتین

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سہو کے وقت غالب الظن پر عمل کیا جائے گا۔

* تطبیق الآثار *

* فصل اول کی احادیث کے راوی ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ ہے فصل ثالث کی بھی احادیث ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے لہذا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں روایات میں منافات نہیں ہے اور دونوں پر عمل کرنا ضروری ہوگا۔
* فصل الاول کی روایات اس صورت میں ہے جب غالب گمان نہیں ہو تو سجدہ السہو کرے اور فصل ثالث کی روایات اس صورت میں ہے جب غالب ظن ہو۔
* فصل الثانی کے راوی ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بھی ہے اور وہ فصل ثالث کے بھی راوی ہے۔ لہذا ادھر تطبیق کی صورت یہ ہے کہ فصل الثانی کی روایت اس صورت میں ہے جب غالب الظن نہ ہو تو بناء علی الاقل کرے اور فصل الثالث کی روایات جب غالب الظن ہو۔
* انس بن مالک و ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی تحری ثابت ہے۔

* دلیل مذھب ثانی نظر طحاوی *

اگر کسی شخص کو شک ہو کہ کیا اس نے ظہر کی نماز پڑھی یا نہیں تو اس پر واجب ہوگا کہ ظہر کی نماز پڑھے۔ تو اسی طرح اگر نماز کے درمیان کسی کو شک ہو تو اس پر بھی نماز کا ہر جزء کا اعادہ کرنا لازم ہونا چاہیے لہذا بناء علی الاقل کرے جوکہ یقینی ہے۔

اشکال: قاعدہ واصول ہے کہ فرض عبادۃ اسی وقت فرض ہوتی ہے جب کہ اس کے فرض ہونے کا یقین ہو۔ اور یہاں تیسری رکعت کے فرض ہونے یا نہ ہونے میں شک ہے بناء علی الاقل کرنے کی صورت میں۔ یقین حاصل نہیں ہے۔

جواب: (4) رکعت فرض ہونے پر ابتداء میں ہی ہمیں یقین حاصل تھا مگر صرف نماز کے درمیان میں سقوط فرض میں شک واقع ہوا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جس طرح رمضان کے شروع میں تو 30 روزہ لازم ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کے خلاف کوئی دلیل مل جائے۔ تو رمضان سے نکلنا نہیں ہوتا ہے مگر یقین کے ساتھ تو اسی طرح نماز سے بھی نکلنا نہیں ہوتا مگر یقین کے ساتھ جوکہ بناء علی الاقل میں حاصل ہوتا ہے۔

***

★64: باب سجود السهو فی الصلاۃ: هل هو قبل التسلیم او بعده ★

مسئلہ: سجدہ سہو کیا قبل السلام کیا جائے گا یا بعد السلام؟

★ مسالک ★

مذہب اول [شوافع]: قبل السلام

مذہب ثانی [مالکیہ]: نقصان کی صورت میں قبل السلام [القاف بالقاف]
زیادتی " " بعد " [الدال بالدال]

مذہب ثالث [احناف]: بعد السلام

مذہب رابع [حنابلہ]: دونوں روایۃ: قبل السلام بعد السلام

★ مذہب اول کی دلیل ★

ابن بُحَینہ رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قاعدہ اولی بھول گئے تو انہوں نے دو سجدہ کئے قبل السلام۔ (حدیث: 2646)

★ مذہب ثانی کی دلیل ★

ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالیدین رضی اللہ عنہ کے واقعہ کے دن سلام کے بعد سجدہ سہو کیا۔ اور نقصان ہونے قبل السلام جیسے کہ اوپر ابن بحینہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم چلتا ہے۔ اور اگر زیادتی کی صورت میں بعد السلام جیسے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

★ مذہب ثالث احناف کی دلیل ★

مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قاعدہ اولی بھول گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلام کے بعد سجدہ سہو کیا۔

★ مذکورہ تینوں قسم کی روایت کا حاصل ★

احتمال 1: فعل اول کی روایت قبل السلام مطلقا ہے۔ [نقصان ہو یا زیادتی]
احتمال 2: فعل ثالث کی " بعد " ہے۔ [" "]
احتمال 3: فعل ثانی " میں تفصیل ہے کمی کی صورت میں قبل السلام
زیادتی کی صورت میں بعد السلام

★ جب تین احتمالات میں تو ترجیح دینے کے لئے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا عمل دیکھا جائے گا۔

★ حضرات صحابہ کا عمل و فتاویٰ نماز میں سہو کی صورۃ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد سجدہ سہو کا بعد السلام رہا ہے۔ 1) ابن مسعود 2) ابن عباس 3) ابن زبیر 4) عمر رضی اللہ عنہ 5) سعد بن وقاص 6) انس رضی اللہ عنہم
[حدیث: 2662-2669]

P: 232

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[باب: 64]

★ رد علی المذھب الثانی (مالکیہ) ★

1) حضرت عمر رضی اللہ عنہ ذوالیدین رضی اللہ عنہ کے واقعہ کے دن موجود تھے اور انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادتی کی وجہ سے بعد السلام سجدہ کیا پھر عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں جب نماز میں کمی واقع ہوئی تو انہوں نے بھی بعد السلام سجدہ کیا۔ (2660)
یہ واضح دلیل ہے کہ آخری حکم سجدہ سہو کا بعد السلام تھا۔

★ نظر طحاوی احناف کی تائید میں ★

سجدہ تلاوت کا حکم نماز میں یہ ہے کہ جب آیت پڑھی جائے تو فوراً سجدہ کر دیا جائے بعد میں باقی ارکان الصلاۃ ادا کیے جائیں۔ اور سجدہ سہو کا حکم نماز میں یہ ہے کہ تاخیر سے کیا جائے، اس کے تو سب حضرات قائل ہیں کہ سجدہ کو مؤخر کیا جائے۔ اختلاف صرف اس میں ہے کہ قبل السلام کیا جائے یا بعد السلام، تو ارکان الصلاۃ تو سجدہ سہو کے مؤخر ہونے کی وجہ سے پہلے ہی ادا کیے جا چکے ہیں تو سلام بھی ایک رکن ہے تو پہلے سلام پھیر دیا جائے بعد میں سجدہ سہو کیا جائے۔

★★★★★

65 * : باب الکلام فی الصلاۃ لما یحدث فیہا من السہو * P: 559

مسئلہ :- کیا مقتدی کا امام سے کلام کرنا اصلاح الصلاۃ کے لئے یا غلطی سے بات کرے تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں۔

* مسالک *

مذہب اول [ائمہ ثلاثہ] :- اصلاح الصلاۃ یا سہواً کلام کرنا مفسد صلاۃ نہیں ہے

مذہب ثانی [احناف] :- کسی بھی قسم کا کلام کرنا مفسد صلاۃ ہے۔ جائز نہیں ہے۔

* دلیل مذہب اول *

حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ کی حدیث :- ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز صرف (2) رکعت پڑھائی۔ بعد میں ذوالیدین رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔
[أَنَسِيتَ أم قُصِرَتِ الصلاة] 2676 پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
[لم أنسَ ولم تُقصَرِ الصلاة] پھر ذوالیدین رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔
[بل نَسِيتَ يا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم] پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا۔
[أَصَدَقَ ذو اليدين] تو صحابہ نے عرض کیا [نعم] پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو پورا کیا اور نماز کے آخر میں دو سجدے کئے سہو کی وجہ سے۔ اور کلام کرنے کے باوجود نماز کا اعادہ نہیں کیا۔

* حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ کون ہے *

* جمہور کے نزدیک ذوالیدین کا واقعہ (7) ہجری میں پیش آیا لہٰذا یہ حدیث مؤخر ہے اور ناسخ ہے۔ اور کلام فی الصلاۃ کی اباحت بھی ضرورت کی وجہ سے ہے۔
* روایات میں ذوالیدین رضی اللہ عنہ کا نام مذکور نہیں ہے۔ جو کہ عمیر ہے بلکہ ان کے القاب روایات میں مذکور ہے۔ ان کے (3) القاب مذکور ہے۔

1) خرباق (2672) 2) ذوالیدین (2675) 3) ذوالشمالین (2686)

* ذوالشمالین دو گزرے ہیں۔

1) ذوالشمالین السلمی رضی اللہ عنہ 2) ذوالشمالین خزاعی رضی اللہ عنہ

* جمہور کے نزدیک اس باب میں ذوالشمالین السلمی مراد ہے۔ نہ کہ خزاعی جو کہ بدر کے شہداء میں سے ہیں۔ تو یہ روایت مؤخر ہے
* احناف فرماتے ہیں کہ ذوالیدین و ذوالشمالین ایک ہی آدمی تھے۔ اسلام سے پہلے ذوالشمالین کہا جاتا تھا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالیدین سے بدل دیا تھا انکا لقب، لہٰذا یہ روایت ابتداء اسلام دور کی ہے، بدر سے پہلے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[باب: 65]

★ رد علی مذہب اول ★

1) معاویہ بن حکم السلمی رضی اللہ عنہ کی روایت - جب کہ انہوں نے نماز کے درمیان چھینک ماری اور یرحمک اللہ کہا، تو لوگ مجھے گھور کر دیکھنے لگے، تو پھر میں نے کہا [وا ثکل اماہ ما لکم تنظرون الی] پھر لوگ اپنے ہاتھ ران پر مارنے لگے مجھے چپ کرنے کے لئے. پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نماز کے بعد فرمایا [إنّ صلاتنا ھذہ لا یصلح فیھا من کلام الناس انما ھی التکبیر والتسبیح وتلاوت القرآن] اس سے واضح ہوتا ہے کہ نماز میں کلام کی صلاحیت نہیں ہے اور صلاحیت نہ رکھنے کا مطلب ہے کہ کلام سے نماز فاسد ہو جائیگی.

2) معاویہ بن حُدَیج کی روایت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت کم پڑھائی اور جب طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے بتایا تو نماز مکمل کرکے صرف سجدہ سہو نہیں کیا بلکہ بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا اقامت کا اور نماز کا اعادہ فرمایا

3) جس دن ذوالیدین رضی اللہ عنہ والا واقعہ پیش آیا تھا اس وقت عمر رضی اللہ عنہ وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود تھے. اور بعد میں عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی کم رکعت پڑھنے کا واقعہ پیش آیا تو انہوں نے نماز کا اعادہ کیا نہ کہ صرف سجدہ سہو کیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے کوئی نکیر نہیں کی. (2702)

★ اثر ★★ عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا غلطی کی وجہ تو انہوں نے فرمایا کہ میں نماز میں لشکر کو تیار کر رہا تھا عراق سے یہاں تک کہ میں مدینہ آ گیا.

اشکال:- یہ خلاف خشوع معلوم ہوتا ہے.

جواب:- حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس امۃ کے مُلْہَم تھے. عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقد کان فیما قبلکم من الامم محدثون فان یک فی امتی احدٌ فانہ عمر [متفق علیہ]

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر نماز کے درمیان میں اللہ کی طرف سے الہام کیا جا رہا تھا اور یہ خشوع کے خلاف نہیں.

4) ائمہ ثلاثہ بھی اس حدیث کے ہر جزء پر عمل نہیں کرتے لہذا یہ دلالت کرتا ہے کہ اس حدیث کے منسوخ ہونے پر.

علماء کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی نماز میں غلطی کرے تو مقتدی کو تسبیح کرنا چاہئے. اور اس حدیث میں ذوالیدین رضی اللہ عنہ نے تسبیح نہیں کی بلکہ کلام کیا. اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کوئی انکار نہیں کیا. لیکن بعد میں تعلیم دی کہ اگر کوئی غلطی پیش آئے تو تسبیح کرو، امام کو متنبہ کرنے کے لئے لہذا یہ حدیث ناسخ ہے اور ذوالیدین رضی اللہ عنہ کی حدیث منسوخ ہے

5) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام کے بعد استوانہ حناء [ستون] کی طرف گئے اور پھر اپنے حجرے کی طرف گئے اور اس صورت میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا چہرہ قبلہ سے ہٹایا اور عمل کثیر پایا گیا اور یہ بالاتفاق جائز نہیں ہے لہذا یہ حدیث منسوخ ہے. کلام کسی طرح جائز ہوگا،

اشکال:- نماز کے دوران اپنے سینہ کو قبلہ سے پھیرنا اور چلنا یہ امور مصلی کو صلاۃ سے خارج نہیں کرتے

جواب:- اگر یہ افعال مصلی کو نماز سے خارج نہیں کرتے تو پھر بیع کرنا، کھانا، پینا، جماع کرنا مفسد الصلاۃ نہیں ہونے چاہیے، حالانکہ ان امور کی وجہ سے تم بھی کہتے ہو کہ نماز فاسد ہو جاتی ہے

6) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالیدین رضی اللہ عنہ کی خبر دینے کے بعد صحابہ سے زبانی دریافت کیا اقصرت الصلاۃ اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بغیر ضرورت تھا کیونکہ آپ حضرات کے نزدیک خبر واحد حجۃ ہے جو کہ یہاں پائی گئی تھی۔ اور یہ بلا ضرورت کوئی چیز کرنا تمہارے نزدیک بھی جائز نہیں ہے تو یہ جز منسوخ ہے تمہارے نزدیک تو باقی حدیث بھی منسوخ ہونی چاہیے۔

خلاصہ:- یہ تمام دلائل سے واضح ہوتا ہے کہ ذوالیدین رضی اللہ عنہ کا واقعہ کلام فی الصلاۃ منسوخ ہونے سے پہلے تھا قابل استدلال نہیں

اشکال:- حدیث ذوالیدین رضی اللہ عنہ ناسخ ہے کیونکہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس واقعہ میں موجود تھے۔ صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اسلام 7ھ ہجری میں قبول کیا تھا، اور کلام فی الصلاۃ کی ممانعت مکہ مکرمہ میں آئی تھی لہٰذا یہ روایت مؤخر ہے۔ اور ناسخ ہے۔

جواب:- ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا 7ھ ہجری میں صحیح ہے لیکن کلام فی الصلاۃ منسوخ ہونا مکہ میں غلط ہے اس لیے کہ باب صلاۃ الوسطی میں زید بن ارقم (انصاری) رضی اللہ عنہ کی روایت گزر گئی ہے کہ ہم نماز میں بات کرتے تھے یہاں تک کہ [قوموا للہ قنتین] نازل ہوئی [فأُمرنا بالسکوت] اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں اسلام قبول کیا تھا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا فرمان صلی بنا رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ صلی بالمسلمین کے مرادف ہے اور یہ کلام عرب میں مشہور ہے لہٰذا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس وقت موجود نہیں تھے اور ذوالیدین رضی اللہ عنہ کی روایت مقدم (منسوخ) ہے

* جب صیغہ متکلم (صلی بنا) بولا جائے تو اس سے اپنے شہر یا قوم مراد لی جاتی ہے اور اس کی کافی مثال ملتی ہے

* نظر طحاوی: ہر قسم کی عبادت میں داخل ہونے سے بعض اشیاء منع کی جاتی ہیں جیسے کہ اعتکاف میں جماع اور حج و عمرہ میں جماع، اور اگر کوئی چیز عمداً یا سہواً کرے تو مفسد ہو جاتی ہے تو اس طرح ادھر بھی کلام فی الصلاۃ کرے جس سے منع کیا گیا ہے نماز میں تو فرق نہیں پڑتا چاہیے عمداً بلا ضرورت ہو یا سہواً ہو، دونوں صورتوں میں نماز فاسد ہونی چاہیے۔

P:136 بسم اللہ الرحمن الرحیم

[باب:65]

* اشکال: معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعادہ کا حکم نہیں دیا

جواب:1:- حکم دیا اعادہ کا لیکن روایت میں مذکور نہیں ہے۔

جواب:2:- کلام فی الصلاۃ کی ممانعت سے پہلے کا واقعہ ہے۔

* اشکال: امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یوم ذوالیدین کے واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ سہو نہیں کیا اور یہ بہت صحابہ سے بھی منقول ہے۔

جواب: امام زہری رحمہ اللہ وغیرہ کا مسلک ہے کہ سجدہ لازم نہیں ہوتا سہو کی وجہ سے۔ اور کلام کرنا اس وقت نماز میں مباح تھا تو اسی وجہ سے سجدہ نہیں کیا ہوگا۔ لیکن حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ [2672] کی روایت میں صراحۃً سجدہ کا ذکر ملتا ہے۔ اور یہ جمہور کا مسلک ہے۔

★★★

P:569 * 66- باب الاشارۃ فی الصلاۃ *

مسئلہ: کیا سلام بالاشارہ سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟

مسالک

مذہب اول [بعض ظاہریہ]:- یفسد الصلاۃ

مذہب ثانی [ائمہ اربعہ]:- لا یفسد الصلاۃ لکن یکرہ

اصول:- عمل کثیر سے نماز فاسد ہوتی ہے نہ کہ عمل قلیل سے

مذہب اول کی دلیل

حدیث: عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التسبیح للرجال والتصفیح للنساء ومن اشار فی صلاتہ اشارۃ تُفْھَمُ منہ فلیُعِدْھا (2712)

مذہب ثانی کی دلیل

1) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبا تشریف لے گئے تو لوگ سلام کے لئے گئے۔ اور نماز کے درمیان میں تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم، تو صحابہ نے ہاتھ کے اشارہ سے سلام کیا۔ (ابن عمر رضی اللہ عنہما) (2713)

* اور اس طرح کی متواتر روایت ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اشارہ سے سلام کرنا مفسد الصلاۃ نہیں ہے۔ اور متواتر روایات کو ترجیح دی جائے گی فصل اول کی روایت پر۔ اور حرکت الید حرکت العضو کے مانند ہے۔ اور جب وہ نماز فاسد نہیں کرتا تو حرکت الید کیوں نماز فاسد کریگا۔

اشکال:- تم احناف کے نزدیک اشارہ فی الصلاۃ کلام فی الصلاۃ کی طرح مفسد نہیں ہے۔ تو پھر تم اشارہ فی الصلاۃ کو مکروہ کیوں کہتے ہو جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

جواب:- مکروہ ہونا دوسرے آثار سے ثابت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اشارہ فی الصلاۃ کرنے کا کوئی دلیل نہیں ہے، کیونکہ جہاں اشارہ کرنا منقول ہے وہ ممکن ہے کہ اس میں سلام کرنا مقصد نہیں تھا بلکہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد تھا سلام سے روکنا۔ اور اگر مقصد سلام ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد میں فرماتے کہ میں نے یہ اشارہ کیا جواب دینے کے لئے اور پھر اس سے ثابت ہوتا مصلی کا سلام دینے کا طریقہ اور ان آثار میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت کا جب انہوں نے ہاتھ سے اشارہ کیا، کہ کیا مقصد رد سلام تھا یا منع عن بدء السلام۔

★ دلیل کراھۃ السلام علی المصلی ★

1) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث اور فتوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کے دو مثال۔

2) حدیث: 2726: عن جابر رضی اللہ عنہ ان النبی بعثہ لبعض حاجتہ فجاء وھو یصلی علی راحلتہ فسلم علیہ ثم اوما بیدہ ثم سلم علیہ فسکت ثلاثا فلما فرغ قال اما انہ لم یمنعنی ان ارد علیک الا انی کنت اصلی]. اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ رد السلام کے لئے نہیں تھا بلکہ منع عن بدء السلام سے تھا۔

3) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فعل:- جب کہ کسی نے ان کو سلام کیا نماز کے درمیان تو انہوں نے جواب نہیں دیا اور ہاتھ سے کراھۃ اشارہ کیا۔ [2730]

4) عقلی دلیل:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے اعضاء کے متعلق تسکین کا حکم دیا ہے تو اشارہ بالید بھی وھی حکم ہونا چاہئے۔ [اسکنوا فی الصلاۃ] (2731)

★★★

P. 574 ★ 67 ★ باب المرور بین یدی المصلی ھل یقطع علیہ ذلک صلاتہ ام لا ★

مسئلہ:- کلب اسود، حمار اور عورت کے گزرنے سے کیا مصلی کی نماز فاسد ہو جاتی ہے؟ (یا نہیں)

★ مسالک ★

مذھب اول [حنابلہ ظاھریہ]:- تفسد الصلاۃ

مذھب ثانی [جمہور ائمہ ثلاثہ]:- لا تفسد الصلاۃ۔

★ مذھب اول کی دلیل ★

★ ابوذر غفاری، سھل بن ابی حثمہ، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنھم اجمعین کی روایت سے معلوم چلتا ہے کہ کلب اسود، حمار اور عورت کے مصلی کے سامنے سے گزرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

★ رد علی مذھب اول ★ ابن عباس رضی اللہ عنھما کی روایت کا جواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو میدان عرفات میں نماز پڑھا رہے تھے اور اسی دوران عبد اللہ بن عباس و فضل بن عباس رضی اللہ عنھم حمار پہ صفوف کے سامنے سے گزرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز نہیں توڑی اور نہ اس فعل پہ نکیر کی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[باب: 66]

اشکال: اس میں کوئی دلیل نہیں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما امام کے سامنے سے گزر گیا بلکہ صرف مقتدی کے سامنے سے گزرے لہٰذا اس حدیث میں کوئی دلیل نہیں ہے امام کے سامنے گزرنے کی۔

جواب: دوسری روایت جو صہیب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے دوسرے موقع پر کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گزرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نکیر نہیں کی اور نہ نماز توڑی۔

حاصل: یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی: ان کی فصل اول کی روایت سے مخالف ہے۔ اور فصل اول کی روایت مقدم ہے اور فصل ثانی کی روایت مؤخر تو نسخ ثابت ہو گیا۔

* حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی روایت کا جواب

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ کلب اسود کا سامنے سے گزرنا نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان [ان الکلب الاسود شیطان] تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر گزرنے والا بین یدی المصلی شیطان ہوتا ہے۔ پھر ہم نے ابو ذر رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت کو دیکھا جس میں گزرنے والا انسان کو بھی شیطان قرار دیا گیا ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ اس کو روکے گا اور اگر انکار کرے تو [فلیقاتل فانما ھو شیطان] 2745
اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ [فان معہ القرین شیطان] 2746 کہ اس گزرنے والے کے ساتھ شیطان ہوتا ہے۔

حاصل: روایات سے معلوم چلتا ہے کہ گزرنے والا شیطان ہوتا ہے، چاہے انسان ہو یا غیر انسان تو جب انسان کے گزرنے سے بالاتفاق نماز فاسد نہیں ہوتی تو کلب اسود کے مرور سے کیوں فاسد ہوگی، اور روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ بنی آدم کا مرور مفسد الصلاۃ نہیں ہے۔ [مطلب بن ابی وداعہ رضی اللہ عنہ: 2750]

* ابن عمر و ابو سعید رضی اللہ عنہم جو روایت کرتے ہیں کہ قتال کرو گزرنے والے کے ساتھ تو ان حضرات کے نزدیک بھی مرور بین یدی المصلی قاطع الصلاۃ نہیں تھا [2763] اور ممکن ہے کہ پہلے قتال کا حکم تھا پھر منسوخ ہو گیا۔

نظر طحاوی: کلب اسود کا ہم نے تقابل کیا عام کلب سے اور عام کلب بالاتفاق مفسد نہیں ہے اور عام کلب و کلب اسود بہت احکام میں ایک ہی ہے۔ اکل محرم اور سور (جوٹھا) میں تو مرور میں بھی حکم ایک ہونا چاہئے اور جب کلب میں یہ حکم ہے تو تمام غیر ماکول میں بھی یہ حکم ہونا چاہئے لہٰذا حمار کا گزرنا بین یدی المصلی مفسد الصلاۃ نہیں ہوگا۔

★★★

68: باب الرجل ينام عن الصلاة او نسيها: كيف يقضيها؟ *P: 582

مسئلہ:- اگر کوئی شخص سو جائے اور نماز کا وقت فوت ہو جائے تو کیا کرے ؟.

* مسالک *

مذھب اول [اکثر اھل ظواھر]:- ایک فوت شدہ نماز کو (2) مرتبہ پڑھنا ضروری ہے،
ایک وقت جب نماز یاد آجائے، اور دوسری مرتبہ جب اگلے دن اس نماز کا وقت آئے
مذھب ثانی [بعض اھل ظواھر]:- یاد آنے کے وقت قضاء نہ کرے بلکہ آگے جو فرض
نماز کا وقت آرہا ہے اس فرض نماز کے ساتھ قضاء کرے
مذھب ثالث [ائمہ اربعہ، جمہور]:- ایک ہی مرتبہ جب یاد آجائے قضاء کرے
سوائے احناف کے نزدیک اوقات ممنوعہ میں ،

* مذھب اول کی دلیل *

حضرت ذو مخبر رضی اللہ عنہ کی روایت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی نماز فوت ہو گئی
سفر کے دوران سستی کی وجہ سے اور پھر سورج کی گرمی نے ان کو اٹھایا تو انہوں
نے قضاء کی اور اگلے دن جب اس نماز کا وقت آیا تو انکی دوبارہ قضاء کی
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [ھذہ صلاتنا بالامس](2770) ہوا دوبارہ
قضاء کی پہلی نماز کو قضاء کے طور پر اور دوسری نماز کو کفارہ کے طور پر ہے.

* مذھب ثانی کی دلیل *

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ جس سے نماز فوت ہو جائے تو وہ قضاء کرے اس فرض کا ساتھ جو آگے آرہی ہے،

* مذھب ثالث کی دلیل *

1) لیلۃ التعریس کا واقعہ:۔ جب فجر کی نماز قضاء ہو گئی تو اس کی قضاء
کی اور دوسری فرض نماز کے وقت کا انتظار نہیں کیا اور یوم الثانی میں
اسکی قضاء نہیں کی، اور دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قضاء علی
الفور کرنا چاہئے نہ کہ دوسری فرض کا انتظار کیا جائے، عن انس رضی اللہ عنہ
ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من نسي صلاة فليصلها اذا ذكرها (2776)
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو یہ حکم نہیں دیا کہ دوسرے دن واپس قضاء کرنی ہے،
اور سکوت اس موقع پر دلیل ہے کہ یوم الثانی میں قضاء لازم نہیں ہے،
2) دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء اسلام میں فوت شدہ نماز
کو دو مرتبہ پڑھنے کا حکم تھا پھر وہ منسوخ ہو گیا اور اسکی دلیل
باب الرجل یدخل فی صلاۃ الغداۃ میں گزر چکی (حدیث: 2240)

P: 240

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[باب: 68]

لیلۃ التعریس کے موقع پر صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا نقضیها لوقتها من الغد؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اینهاکم اللہ عن الربا و یقبلہ منکم؟ اللہ تعالیٰ تمہیں زائد لینے سے منع کرتا ہے تو کیا وہ تم سے زائد قبول کر لیگا۔ ایک ہی نماز فرض تھی تو اللہ تعالیٰ دو فرض کا مطالبہ نہیں کریگا۔ یہ صریح دلیل ہے کہ فصل اول کی احادیث منسوخ ہے۔

12 فصل طحاوی:- نماز مقرر اوقات پر فرض ہے۔ اور روزے رمضان کے بھی مقرر وقت میں فرض ہے اور جب رمضان کے روزہ فوت ہو جائے تو صرف ایک (روزہ کی) قضا لازم ہوتی ہے تو ایک ہی نماز فرض ہونی چاہیے۔

* سوال:- اگر کوئی شخص وقتی نماز شروع کرے اور اس کے ذمہ میں قضاء نماز ہے تو کیا وہ وقتی نماز ادا کرے تو درست ہوگی یا نہیں۔

جواب:- صاحب ترتیب کے لئے واجب ہے کہ پہلے اپنی قضاء نماز پڑھے پھر وقتی نماز۔ اگرچہ وہ امام کے ساتھ وقتی نماز میں داخل ہو گیا اس پر واجب ہوگا اس کو توڑنا اور قضاء کرنا پھر وقتی نماز پڑھنا۔

★★★

P: 585 ★ 69: باب دباغ المیتۃ: هل تطهر وان دُبغت؟ ★

مسئلہ:- کیا کھال دباغت سے طاہر ہو جاتی ہے؟

★ مسالک ★

مذہب اول [مالکیہ، حنابلہ]:- لا تطهر وإن دُبغت

مذہب ثانی [احناف، شوافع]:- تطهر ان دُبغت

* احادیث میں جب میتہ کا ذکر ہوتا ہے تو عام طور سے وہ جانور مراد ہوتے ہیں جو طبعی موت مرتے ہیں۔ لیکن میتہ کے عموم میں وہ جانور بھی شامل ہیں جو بغیر ذبح غیر اسم اللہ ہوتے ہیں۔

★ مذہب اول کی دلیل ★

عبداللہ بن حکیم رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا تنتفعوا من المیتۃ بإهاب ولا عصب (2786)

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ جلد میتہ دباغت کے بعد بھی پاک نہیں ہوتی اور نفع نہیں اٹھا سکتے۔

★ رد علی مذہب اول ★

اس روایت میں تخصیص ہے کہ مطلقاً نفع حاصل کرنا میتہ سے حرام ہے حرام صرف اسی صورت میں ہے جب دباغت نہیں ہوئی ہو، اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے واضح ہوتا ہے کہ یہ ممانعت خاص میتہ کی چربی سے تھی،

جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں کی کشتی ٹوٹ گئی اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ انہوں نے ایک مری ہوئی اونٹنی پائی جس میں چربی تھی۔ تو کیا وہ کشتی کے سوراخ بند کرنے کے لئے استعمال کر سکتے ہیں، اسکی چربی، تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

[لا تنتفعوا بشيء من الميتة]

دلیل مذہب ثانی احناف و شوافع

1) متواتر احادیث واضح کرتی ہے کہ دباغت کے بعد جلد المیتہ طاہر ہو جاتی ہے، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: مَرَّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بشاةٍ مَيّتةٍ لميمونةَ فقال لو اخذوا إهابها فدبغوه فانتفعوا به (2792)

* اشکال:- دباغت کی احادیث منسوخ ہے اور یہ تحریم میتہ کی آیت سے پہلے تھا۔ [حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ] [المائدة: 3]

جواب:- جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سودہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ تم مردار بکری کی کھال سے مشکیزہ کیوں نہیں بنا لیتی۔ تو سودہ رضی اللہ عنہا حیران ہوئی اور عرض کیا کہ کیا ہم اس مردار بکری کی کھال سے مشکیزہ بنائے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیۃ تلاوت فرمائی

قُلْ لَا أَجِدُ مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ، [انعام: 145]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پہلے میتہ سے نفع حاصل کرنا مطلقاً حرام سمجھا تھا، اور بعد میں یہ ممانعت ختم ہوگئی اور دباغت کے بعد نفع حاصل کرنا کھال سے حلال ہو گیا

2) ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترغیب دی میتہ کی جلد سے نفع حاصل کرنا تو صحابہ نے عرض کیا إنها ميتة [تعجباً] تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا إنما حَرُمَ أَكْلُهَا [2823] کھانا حرام ہے نہ کہ استعمال۔

نظر طحاوی احناف و شوافع کی تائید میں

1) قاعدہ کلیہ ہے کہ اشیاء کا حکم تبدل الصفات کی وجہ سے تبدیل ہو جاتا ہے، مثلاً: خمر (شراب) کا انتفاع حرام ہے لیکن جب صفات میں تبدیلی آجائے اور وہ سرکہ بن جائے تو انتفاع جائز ہے، تو اس طرح جلد المیتہ کا انتفاع حرام تھا موت کی صفت کی وجہ سے مگر اسکی صفت بدل گئی سامان بنانے کی صفت سے تو اسکا انتفاع حلال ہو جائے گا۔

P: 142

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[باب: 69]

ج: نظر طحاوی: مشرکین کا ذبیحہ اہل اسلام کے میتہ کے حکم میں ہے، لیکن جب حضرات صحابہ اسلام میں داخل ہوئے تو ان کو حکم نہیں دیا گیا اپنے مشکزوں کے پھینکنے کا حالانکہ ان کو بتوں کے نام پر ذبح کیے جانے کے بعد ان کے کھالوں سے مشکزہ بنائے گئے تھے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ جانور کی دباغت کی گئی تھی تو جلد طاہر ہو گئی تھی اگرچہ کھانا حرام تھا اور حضرات صحابہ کو مشکزے وغیرہ غزوات سے ملتے تھے حالانکہ وہ بھی میتہ سے بنایا گیا ہوتا تھا

* تطبیق کی صورت *

فصل اول کی اور فصل ثانی کی روایات میں تعارض نہیں ہے۔ اس لئے کہ فصل اول میں ممانعت دباغت سے پہلے نفع حاصل کرنے کی ہے اور فصل ثانی میں دباغت کے بعد نفع حاصل و اٹھانے کی اجازت دی گئی ہے۔

* * *

P:591 * 97 باب الفخذ: فصل عفو من العورة ام لا: 70 *

مسئلہ: ران کا حصہ ستر میں شامل ہے یا نہیں

* مسالک *

مذهب اول [مالکیہ]: لیست من العورة

مذهب ثانی [احناف شوافع]: أن الفخذ عورة

حنابلہ کی دونوں روایت ہے۔

* مذهب کی دلیل *

ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ ایک دن رسول صلی اللہ علیہ وسلم حفصہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں اپنے کپڑے ران پر سمیٹ کر بیٹھے تھے پھر عمر رضی اللہ عنہ آئے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اسی حالت میں تھے اور دوسرے لوگ بھی آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی حالت میں رہے۔ اور جب عثمان رضی اللہ عنہ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ران کو ڈھانپ لیا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا أَفَلَا أَسْتَحْيِي مِمَّنْ يَسْتَحْيِي منه الملائكة (2815) لہذا اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کشف الفخذ ثابت ہے اور وہ جواز کی دلیل ہے۔

* رد علی مذهب اول *

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی روایت غریب ہے اور اسکی مخالفت میں حفاظ حدیث کی جماعت ہے۔ اور اس میں عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ جو اس حدیث کو نقل کرتی ہے اور اس میں کشف الفخذ کا ذکر نہیں ہے (2816)

P: 143

★ دلیل مذهب ثانی احناف و شوافع ★

1) متواتر روایت:
عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفَخِذُ عَوْرَۃٌ
2) نظر طحاوی:
حکم شرعی ہے کہ غیر محرم عورت کا پورا بدن ستر ہے سوائے (وجہ) وجہ اور کفین اور پاؤں اور محرم عورت کے ستر میں اور تخفیف ہے یہاں تک کہ ساقین پنڈلی شامل نہیں ہے ستر میں، لیکن فخذین ستر میں شامل ہے لہذا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ساقین اور فخذین کا حکم الگ ہوتا ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کی فخذ کا حکم فرج کی طرح ہے فخذ کو نہیں دیکھ سکتے تو وہ ستر میں شامل ہے، تو یہ مردوں کے ستر کا بھی حکم ہونا چاہئے اس لئے کہ مردوں کی بھی شرمگاہ دیکھنا جائز نہیں ہے۔ جس طرح عورت کی شرمگاہ کو دیکھنا جائز نہیں ہے،
★ اس نظر کا نتیجہ یہ ہے کہ مرد اور عورت کا ستر برابر ہوتا ہے، اور یہ درست بات نہیں ہے، [مفتی ظہ صاحب]

★★★

★ 71: باب الافضل فی الصلوات التطوع هل هو طول القیام او کثرۃ الرکوع والسجود ★ P: 594

★ ★ ★

مسئلہ: کیا نوافل میں طول القیام (طول القرائت) افضل ہے یا کثرۃ الرکعات والسجود۔

★ مسالک ★

مذهب اول [شوافع، حنابلہ، امام محمد رحمہ اللہ فی روایۃ]:- طول الرکعات والسجود افضل ہے
مذهب ثانی [جمہور احناف]:- طول القیام افضل ہے

★ مذهب اول کی دلیل ★

عن ابی ذر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من رکع رَکْعَۃً وسَجَدَ سجدۃً رفعہ اللہ بھا درجۃً و حَطَّ عَنْہُ بِھا خَطِیئۃً]
حدیث: 2829،

P:244

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(باب: 71)

★ دلیل من ھب ثانی (احناف) ★

باب القراءۃ فی رکعتی الفجر میں حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت عبد اللہ بن الحبشی رضی اللہ عنھم سے متعدد روایات منقول ہے جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: افضل الصلوٰۃ طول القیام،

★ رد علی من ھب اول ★

حضرت ابو ذر الغفاری رضی اللہ عنہ کی احادیث میں طول القیام کی نفی نہیں ہے، اسکا مطلب ہو سکتا ہے کہ اگر کوئی طول القیام کے ساتھ سجدہ اور رکوع کا اضافہ کرے تو اس کو مزید فضیلت حاصل ہوگی.

اشکال: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک نوجوان کو اپنی قیام لمبی کرتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے فرمایا کہ اگر میں جانتا کہ یہ شخص کون ہے تو میں اس کو رکوع اور سجود لمبا کرنے کا حکم دیتا. اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اذا قام العبد یصلی اُتیَ بذنوبہ فجعلت علی رأسہ وعاتقیہ فکلما رکع او سجد تساقطت عنہ (ای الذنوب) اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کثرۃ سجود و رکوع افضل ہے گناہوں کی معافی کی وجہ سے،

جواب 1: اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ طول الرکوع و السجود کی فضیلت طول القیام سے بڑھ کر ہے،

جواب 2: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے طول الرکوع و السجود کی افضلیت ثابت ہے. اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے طول القیام کی افضلیت ثابت ہے. اور وہ اولیٰ ہے عمر رضی اللہ عنہ کے کلام سے،

★ ★ ★ ★ ★ ★ ★

بحمد الله تعالى

تمّ كتاب

تيسير العبادة

تقبّل الله منّا ومنكم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

★ کتاب الجنائز ★

★ ۱: باب المشی فی الجنازۃ کیف ھو؟ ★

مسئلہ: جنازہ کو قبرستان لے جانے کے وقت چلنے کی رفتار کیسی ہونی چاہیے۔

★ مسالک ★

مذھب اول [احناف]: جلدی سے چلنا افضل ہے (راجح)
مذھب ثانی [جمہور]: آہستہ چلنا افضل ہے۔ (مرجوح)
- امام طحاوی رحمہ اللہ نے اوھر خلاف الترتیب پہلے راجح قول لایا اور پھر مرجوح قول

★ مذھب اول کی دلیل احناف ★

ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اِسْرِعُوْا بالجنازۃ، جنازہ کے ساتھ جلدی چلو۔ اس روایت سے واضح ہوتا ہے کہ جلدی چلنا تیزی سے جنازہ کے ساتھ افضل ہے۔

★ مذھب ثانی جمہور کی دلیل ★

حضرت ابو بردۃ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو جنازہ کے ساتھ تیز چلتے ہوئے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، علیکم السکینۃ سکون کو لازم پکڑو۔

★ رد علی مذھب ثانی ★

1: اس حدیث میں کوئی دلیل نہیں ہے کہ آہستہ چلنا افضل ہے۔ اس لیے کہ ممکن ہے کہ ان کی رفتار میں تشدد ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آہستہ چلنے کا حکم دیا اور ابو بردۃ رضی اللہ عنہ کی روایت اور دوسری روایت جو کہ لیث رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیز چلنے سے منع کیا اس لیے کہ اندیشہ تھا کہ میت اپنے تخت سے گر جائے۔ لہذا جو حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا فصل اول میں تیزی سے چلنے کا حکم ہے وہی اصل ہے۔

2: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنازہ کی رفتار کے بارے میں پوچھا تو فرمایا ما دون الخبب جو دوڑنے کے بغیر ہو۔ لہذا اس سے واضح ہوتا ہے کہ جلدی سے چلنا اس وقت منع ہے جب شور ہو اور اندیشہ ہو کہ میت کا جسم تخت سے گر جائے۔

★★★

★2: باب الجنازة تمر بالقوم ايقومون لها أم لا ★

مسئلہ: قبرستان جانے کے وقت کیا جنازہ کے آگے چلنا افضل ہے یا پیچھے؟

★ مسالک ★

مذہب اول [ائمہ ثلاثہ]: جنازہ کے آگے چلنا افضل ہے

مذہب ثانی [احناف، امام اوزاعی]: جنازہ کے پیچھے چلنا افضل ہے۔

★ مذہب اول کی دلیل ★

عن زہری عن سالم عن ابیہ کا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابا بکر وعمر رضی اللہ عنہما یمشون امام الجنازة۔

(1)

★ رد علی مذہب اول ★

1) اس روایت میں صرف ذکر ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین رضی اللہ عنہما کو جنازہ کے آگے چلتے ہوئے دیکھا، اور یہ انکا عمل بیان الجواز کے لئے بھی ہوسکتا ہے نہ کہ افضلیت بتانے کے لئے۔ جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضوء مرۃ مرۃ کیا جب کہ افضل ثلاثا ثلاثا ہے۔

2) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کا مدار ابن شہاب الزہری پر ہے۔ اور ابن شہاب الزہری سے چار ان کے شاگردوں نے اس حدیث کو نقل کیا ہے

1) سفیان بن عیینہ 2) یونس 3) عقیل بن خالد 4) امام مالک بن انس رحمہم اللہ تعالی

سفیان بن عیینہ نے باقی تین رواۃ کی مخالفت کی ہے اس حدیث کو نقل کرنے میں۔ سفیان بن عیینہ اس حدیث کو مرفوعا نقل کرتے ہیں۔ یونس اور عقیل بن خالد نے اس حدیث کو سالم رحمہ اللہ پر موقوف کرتے ہیں۔ اور امام مالک رحمہ اللہ اس حدیث کو ابن شہاب الزہری پر موقوف ظاہر کیا ہے، لہذا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت منقطع ہونے کی وجہ سے قابل استدلال نہیں ہے

P:147

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[باب: 2]

* دلیل من ھب اول (2) *

حضرات صحابہ کی ایک جماعت سے جنازہ کے آگے چلنا ثابت ہوتا ہے۔

1) حضرت عمر رضی اللہ عنہ [یقدم الناس أمام جنازۃ زینب رضی اللہ عنہا]

2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما [سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے طریق سے منقول ہے]

3) عثمان بن عفان رضی اللہ

4) طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ

5) زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ [ابو رواش کے طریق سے منقول ہے

6) ابوھریرہ رضی اللہ عنہ

7) عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

8) ابو اسید الساعدی رضی اللہ عنہ۔

* دلیل من ھب اول (2) *

یہ دلیل الوقوع ہے نہ کہ افضل ہونے کی دلیل۔

اشکال: 1: حضرت امام ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ فرماتے ہے کہ لیس من السنۃ المشی خلف الجنازۃ۔ بدھر مرجع ہے کہ افضل جنازہ کے پیچھے چلنا ہے۔

جواب: 1: ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ کا کلام حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اثر الصحابہ نہیں ہے تو دلیل نہیں ہو سکتی۔

جواب: 2: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ سے أمام الجنازہ اور خلف الجنازہ چلنا ثابت ہے

عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابا بکر وعمر رضی اللہ عنہما کانوا یمشون امام الجنازۃ وخلفھا۔

جواب: 3: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الراکب خلف الجنازۃ والماشی حیث شاء منھا۔ اس حدیث میں کوئی دلیل نہیں ہے کہ جو دلالت کرے کہ امام الجنازہ چلنا افضل ہے۔

جواب: 4: انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا قول: انتم مشیعون لھا جنازہ کو الوداع کرتے ہو۔ فامشوا بین یدیھا وخلفھا وعن یمینھا وعن شمالھا۔ اس قول صحابی سے واضح ہوتا ہے کہ کوئی بھی جہت میں چلنے کی کوئی خاص فضیلت نہیں ہے۔

P: 148

* احناف کی دلیل *

1) براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حکم دیا اتباع الجنازۃ کا، اور اتباع کا مطلب یہ ہے کہ پیچھے چلنا اور آگے چلنے میں جنازہ کی اتباع کرنا نہیں پایا جاتا اور اتباع تو صرف جنازہ کے پیچھے چلنے میں پایا جاتا ہے۔

2) قول علی رضی اللہ عنہ: المَشیُ خلفها افضل من المشی امامها کفضل المکتوبة على التطوع اور فرمایا کہ شیخین رضی اللہ عنہما کا فعل بیان الجواز اور لوگوں پر آسانی کے لیے تھا

3) حضرت نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جنازہ کے ساتھ نکلے جس میں عورتیں ساتھ تھیں، تو ان عورتوں کو واپس جانے کا حکم دیا اور فرمایا فإنكن فتنة الحي والميت۔ اور خود ابن عمر رضی اللہ عنہما جنازہ کے پیچھے چلے، اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ خلف الجنازۃ افضل ہے۔

4) نظر طحاوی: حارث بن ابی ربیعہ نے سوال کیا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک نصرانی ام ولد کے جنازہ میں شریک ہونے میں تو انہوں نے فرمایا کہ پیروی کر سکتے ہو لیکن جنازہ سے دور رہنے کا طریقہ یہ ہے کہ جنازہ کے آگے نکل جائے اس لیے کہ لیس امام الجنازۃ لیس معها پس ابن عمر رضی اللہ عنہما کے فعل اول کی روایت کے یہ حدیث خلاف ہے، جو کہ سالم سے مروی ہے، اس تعارض کا حل ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت فعل اول میں سالم سے ہے وہ اصل میں منقطع ہے، تو فعل ثانی کی روایت راجح ہوگی۔

5) امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا اور جنازہ کے ساتھ چلنے کے دوران حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کچھ لوگوں کو جنازہ کے سامنے دیکھا تو انہوں نے سوال کیا کہ یہ کون لوگ ہیں تو جواب دیا گیا کہ اہل الجنازہ ہیں تو پھر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ما هم مع الجنازة ولكن کنفیها جنازہ میں آگے وراء تھا۔

P: 149

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[باب: 2]

اشکال: خلف الجنازہ کیسے افضل ہے جب کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے زینب رضی اللہ عنہما کے جنازہ میں لوگوں کو آگے کیا۔

جواب: 1: دوسری وجہ سے مردوں کو آگے کیا اس لیے کہ عورتیں خلف الجنازہ تھی۔ اور مردوں کا خلف الجنازہ ہونے میں اختلاط ہوتا۔

جواب: 2: حضرت اسود بن یزید رحمہ اللہ کا فتویٰ:-
جب جنازہ کے ساتھ عورتیں ہو تو مردوں کو آگے چلنا چاہیے۔ اور عورتیں نہ ہو تو خلف الجنازہ چلنا اصل و افضل ہے۔ اور اسود بن یزید رحمہ اللہ کا اساتذہ حضرت ابن عمر و ابن مسعود رضی اللہ عنھم تھے۔ لہٰذا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے لوگوں کو جنازہ کا آگے کرنے کی وجہ مخالطت سے بچنے کی تھی۔

جواب: 3: حضرت ابراھیم النخعی رحمہ اللہ کا فتویٰ:-
کہ اصحاب عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما امام الجنازہ چلنے کو مکروہ سمجھتے تھے اور صرف امام الجنازہ ہوتے تھے مخالطت النساء سے بچنے کے لئے۔

****

* تمت بالخیر

بحمد اللہ

تعالیٰ

*

D: 8/4/2019 2 شعبان 1440

MONDAY

* تقبل اللہ منا و منکم

آمین

*